اُترا چاند آنگن میں

ایم سُلطانہ فخر

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام

ایم سلطانہ فخر

اُتر چندا انگن میں

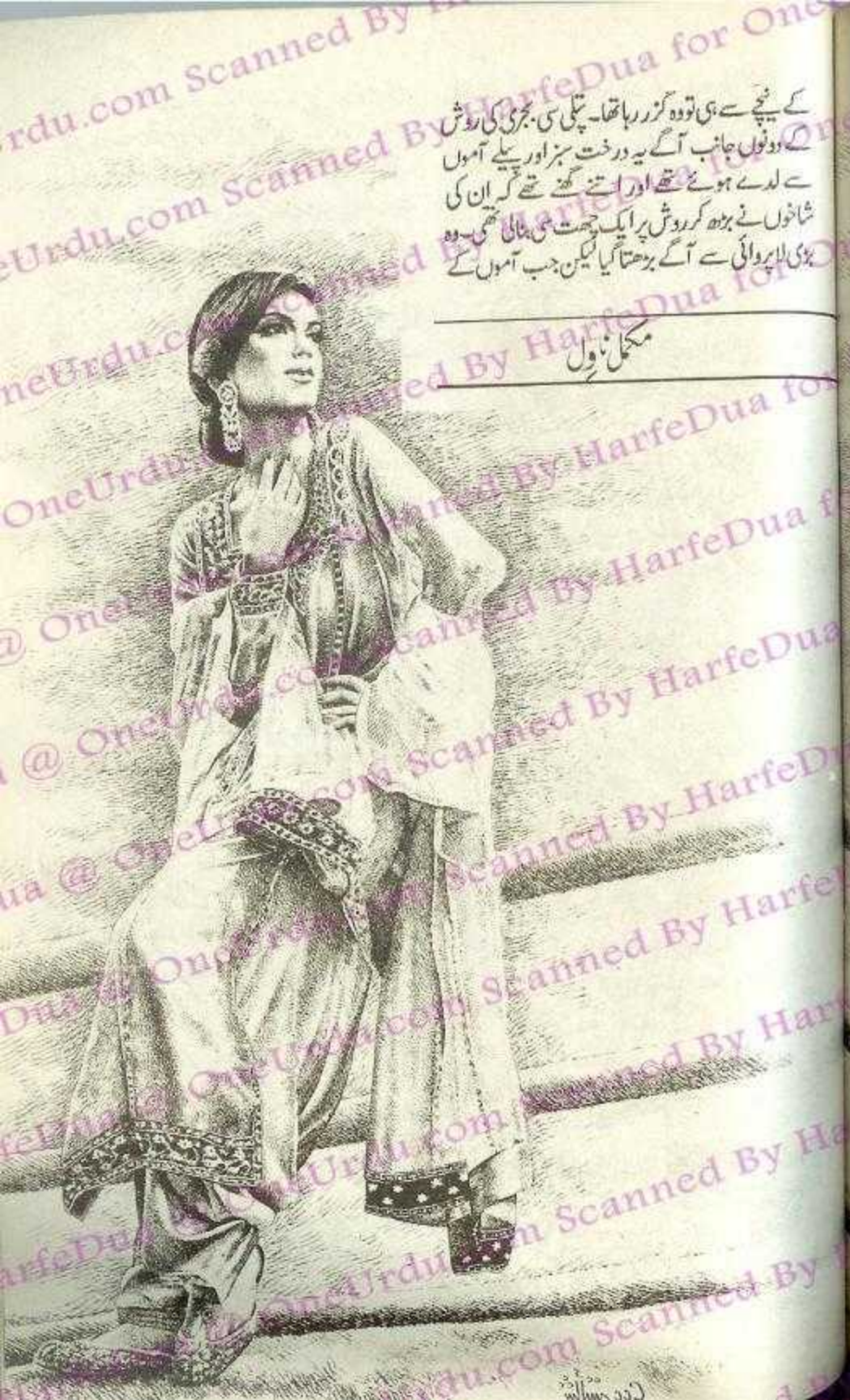

گرمیوں کی دوپہر کا آسمان تھا۔ دھوپ کی تمازت کو سرمئی بادلوں کے بڑے بڑے ٹکڑوں نے کسی حد تک اپنے اندر سمو تو لیا تھا، پھر بھی موسم ایسا خوشگوار نہ تھا کہ اسے متاثر کر سکتا..... وہ اپنی فطری بے نیازی سے اس وسیع بنگلے کا گیٹ عبور کرتا سرخ بجری کی پگڈنڈی پر آگے بڑھ رہا تھا کہ پہلا آم اس کی ایک دم ہی پتلون سے ٹکراتا ہوا پیروں کے قریب گرا۔ لیکن وہ اپنی ہی دھن میں مگن آگے بڑھتا گیا۔ پھر دوسرا آم عین اس کی پشت سے آ ٹکرایا تب بھی اس نے کوئی توجہ نہ دی۔ برابر برابر آموں کے گھنے پیڑوں کے نیچے سے ہی تو وہ گزر رہا تھا۔ پتلی سی بجری کی روش کے دونوں جانب آگے یہ درخت سبز اور پیلے آموں سے لدے ہوئے تھے اور اتنے گھنے تھے کہ ان کی شاخوں نے بڑھ کر روش پر ایک چھت سی بنا لی تھی۔ وہ بڑی لاپروائی سے آگے بڑھتا گیا لیکن جب آموں کے

مکمل ناول

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com

پیڑوں کا سلسلہ طے کر کے اس نے سبز اور نرم نرم مخملیں دوب پر قدم رکھا تو تیسرا آم بڑے زور سے اس کی گردن پر آ گرا۔ آم پکا تھا' کلف دار اور اجلی جھک قمیص کا کالر آم کے پچکنے سے لت پت ہو گیا۔ پشت سے لے کر سینے تک زرد رنگ کی پچکاری دیکھ کر اس کے بڑھتے قدم رک گئے۔ ضرور یہ کسی بے ہودہ لڑکے کی شرارت ہے۔ اس نے فوری طور پر سوچا۔ اپنی قمیص خراب ہو جانے اور گردن کی چوٹ کے تکلیف دہ احساس نے اسے بھنا کر رکھ دیا تھا۔ غصے کے عالم میں وہ پھر آموں کے درختوں کی طرف تیزی سے پلٹا ایک ایک پیڑ کو بغور دیکھتا تاکہ وہ شریر اور بے ہودہ لڑکا نظر آ جائے تو اسے نیچے اتار کر اچھی طرح اس کی گوشمالی کرے۔ آخر اسے آم کے ایک درخت پر پتوں میں چھپی اس لڑکے کی نیلی قمیص نظر آ ہی گئی۔

"ارے او گدھے! نیچے اتر میں تجھے مزا چکھاؤں۔" غصے میں اس کے منہ سے یہی نکل سکا اور جواب میں ڈالیاں اتنی زور سے ہلائی گئیں کہ گدگد کرتے بہت سے پکے آم اس کے منہ اور سینے پر آ کر گرنے لگے تو گھبرا کر اٹھا ہوا چہرا اسے جھکانا پڑا۔ مگر منہ نیچا کیے وہ بڑے جذب کے عالم میں بولا۔

"دیکھو فوراً" نیچے آ جاؤ ورنہ ٹھیک نہ ہو گا۔ میں اوپر آ کر بھی تمہاری مرمت کر سکتا ہوں سمجھے۔"

مگر جواب ندارد۔ آخر اس سے ضبط نہ ہو سکا' پھر بغیر ایک لفظ کہے اور بلا تاخیر درخت پر چڑھنے لگا۔ آموں کی بارش اور تیزی سے ہونے لگی۔ مگر اس نے پروا نہ کی اور تیزی سے وہیں پہنچ گیا جہاں وہ شریر اور نالائق لڑکا گھنی شاخوں میں چھپا بیٹھا تھا۔ اس نے دانت کچکچا کر اسے پکڑنا چاہا تو لڑکے نے جلدی سے ان گھنی شاخوں سے باہر نکال کر بڑی شرارت آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا اور لڑکے کے بجائے ایک البیلی سی موہنی صورت لڑکی کو دیکھ کر اس کا تیزی سے بڑھتا ہاتھ ہوا میں معلق ہو کر رہ گیا۔

"ارے آپ' آپ کا دل آم کھانے کو اس قدر چاہ رہا تھا تو نیچے سے ہی کیوں نہ کہہ دیا جو خواہ مخواہ اوپر آنے کی تکلیف اٹھائی۔" لڑکی نے مسکین صورت بنا کر کہا تو وہ صرف اسی قدر کہہ سکا۔

"آپ' آپ بہت بدتمیز ہیں۔"

"لیکن آپ سے کم۔" بڑی متانت سے جواب دیا گیا۔

"آپ کو شرم آنی چاہیے۔" اس نے لڑکی کے جواب پر جھلا کر کہا۔

"اور آپ کو تمیز... ٹھیک ہے نا حساب برابر ہو گیا۔" لڑکی نے برجستہ کہا۔

"جی مجھ کو نہیں بلکہ آپ کو شرم' تمیز' اخلاق' غیرت...." غصے کی وجہ سے وہ اپنی بات پوری نہ کر سکا۔

"جی ہاں اور آپ کو تہذیب' تمدن' ثقافت' معاشرت' صنعت و حرفت وغیرہ وغیرہ۔" لڑکی چمک کر بولی۔

"کسی شریف آدمی سے ایسا سلوک کرتے آپ کو ذرا شرم نہیں آتی۔" اس نے لڑکی کے جواب پر تلملا کر کہا۔

"جی وہ آتی تو تھی مگر آپ ذرا دیر سے پہنچے۔" لڑکی نے ڈھٹائی سے کہا۔

"افوہ' آپ بہت ڈھیٹ ہیں۔" اپنی دانست میں وہ بدگوئی پر اتر آیا۔

"اور آپ بڑے آنکھ پھوڑا ٹڈا.... ہاہا' سچ اس جملے میں تو آپ پر یہ مثال بالکل...."

"شٹ اپ۔" لڑکی کی بات کاٹ کر وہ بھنا کر بولا۔

"ویسیم ٹو یو...." بڑے مطمئن لہجے میں لڑکی نے آم کھاتے ہوئے کہا۔

"دیکھیے' ذرا ہوش میں رہیے۔" اس نے بپھر کر کہا۔

"اور آپ ہوش کی دوا کیجیے اور ٹھنڈے ٹھنڈے تشریف لے جائیے۔" آم کھاتے کھاتے وہ تن کر بولی۔ لیکن نیچے اترنے یا کچھ کہنے کے بجائے وہ غصے سے پھنکارتا ہوا اسے گھورتا رہ گیا۔

"وہ سوری' مجھے خیال ہی نہیں رہا' لیجیے آپ بھی کھائیے یوں ندیدے پن سے گھورنا ٹھیک نہیں یقیناً مجھے بدہضمی ہو جائے گی.... لیجیے نا....." ایک شوخ مسکراہٹ لیے لڑکی نے اپنا آم اسے پیش کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کو یقیناً" حیا چھو کر نہیں گزری۔ بڑی بے حمیت ہیں آپ۔" وہ لڑکی کی ڈھٹائی پر بپھر کر بولا۔

"اے مسٹر! زبان کو لگام دیجیے ورنہ نیچے اترنے کی زحمت بھی نہ دوں گی' یہیں سے پارسل کر دوں گی سمجھے۔"

لڑکی کو بھی جلال آ گیا۔ آگے کچھ کہنے کی گنجائش نہ دیکھ کر پھر اس لڑکی کے ہاتھوں مزید اپنی درگت بننے کے ڈر سے وہ تیوریاں چڑھائے اور منہ بنائے نیچے اتر گیا۔

اندر جانا اس کے لیے بے کار ہی تھا۔ اس کے نیچے اترتے ہی دھم دھم کرتی بہت سی لڑکیاں دوسرے درختوں سے کودتی نظر آئیں تو وہ ایسا بدحواس ہوا کہ سرپٹ گیٹ کی طرف بھاگا اور اسے اس قدر خوفزدہ ہو کر بھاگتے دیکھ کر لڑکیوں کے نقرئی قہقہے باہر سڑک تک اس کا پیچھا کرتے رہے۔

"اف توبہ' لڑکیاں ہیں یا بلائیں' اب چاہے بھابی ان لوگوں سے مچلکے بھی کرالیں' میں یہاں کبھی قدم نہ رکھوں گا۔ بہت کہتی تھیں کہ میرے میکے ضرور جانا۔" اپنی رہائش گاہ کا رخ کرتے ہوئے وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑانے لگا۔ اسے تو ہمیشہ سے ہی لڑکیوں سے چڑ تھی۔

ریحان کی نئی نئی لاہور میں پوسٹنگ ہوئی تھی۔ جرمنی سے انجینئرنگ کی سند لینے کے بعد وہ سیدھا اپنے بڑے بھائی فرقان کے یہاں پشاور پہنچا تھا۔ فرقان بھیا کی شادی اس کی غیر موجودگی میں ہوئی تھی۔ اسے اپنی بھابی بہت پسند آئیں۔ وہ بہت اچھی طبیعت کی تھیں' اس کی ہر بات کا خیال رکھتیں اور اس قدر اچھی طرح پیش آتیں کہ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا۔ گو بھابی کم عمر ہی تھیں مگر اپنے رشتے کی مناسبت سے ریحان سے بچوں کا سا سلوک روا رکھتیں' بات بات میں نصیحت' اور اپنا خیال رکھنے کی تاکید اسی لیے وہ بھابی کا بے حد احترام کرتا تھا اور ان کی بات بے چون و چرا مان لیتا تھا۔

اور جب اسے اپنی ملازمت کے سلسلے میں مستقل رہائش کے لیے لاہور جانا پڑا تو اسے رخصت کرتے وقت بھابی اس طرح روئیں جیسے ان کا سگا بھائی وطن سے کہیں دور جا رہا ہو۔ اس پر بار بار اپنا خیال رکھنے کی تاکید' اس کی رہائش کے بارے میں فکر مند ہونا۔ ان سب باتوں نے اس کے دل میں بھابی کے لیے ایک خاص مقام پیدا کر دیا تھا۔ لاہور آیا تو سردست رہائش کے لیے کوئی ٹھکانہ نہ مل سکا اس لیے مجبور ہو کر اسے ہوٹل کے ایک کمرے میں سکونت اختیار کرنی پڑی۔

بھابی کو خبر ہوئی تو وہ بے چین ہو اٹھیں۔ فوراً حکم ہوا کہ "میرے میکے چلے جاؤ' میں فون پر ان لوگوں سے بات کر چکی ہوں۔ تمہیں رہائش کو ایک علیحدہ حصہ مل جائے گا۔" لیکن وہ اپنے کام میں کچھ ایسا مصروف ہوا کہ بھابی کی اس قدر تاکید کے باوجود ان کے میکے نہ جا سکا۔

اس کی عمر ستائیس سال تھی بہت خاموش اور سنجیدہ فطرت کا مالک تھا' بے حد سادہ مزاج' حساس اور کچھ کچھ زود رنج بھی۔ اپنے جرمنی کے دوران قیام' وہاں کی آزاد فضاؤں' بے باکیوں اور بے حجابیوں کا گہرا مشاہدہ کر چکا تھا۔ عام طور پر مشرقی لوگ ایسی ترغیب زدہ فضاؤں میں بھٹک کر رہ جاتے ہیں۔ لیکن ریحان کی خاموش اور سنجیدہ فطرت اور اپنے بے رنگ روکھے پھیکے اور عجیب قسم کے ماحول کا اثر تھا کہ وہ ان رنگین فضاؤں سے ذرا بھی متاثر نہ ہو سکا۔

دراصل اس کا بچپن اس کی سوتیلی ماں کی نگرانی میں گزرا تھا۔ جس کی پہلے شوہر سے ایک بچی بھی جو عمر میں اس کے بھیا سے بھی بڑی تھی اور سوتیلی ماں سے زیادہ اس لڑکی کا رویہ دونوں بھائیوں کے ساتھ بڑا

جارحانہ تھا۔ وہ دونوں بھائیوں پر حکم چلاتی، خدمت کراتی اور ایسے کام لیتی جس کے وہ اہل نہ تھے یا جن کا انہیں سلیقہ نہ ہوتا اور ذرا سی چوک پر سوتیلی ماں سے انہیں سخت سزائیں دلواتی۔ مگر باپ کے سامنے بڑی رواداری سے پیش آتی۔ آنے جانے والوں کے سامنے ان کی خوب خاطریں کرتی۔ اس کے اپ اینڈ ڈاؤن قسم کے موڈ نے ریحان کے ناپختہ ذہن میں عورت کے خلاف ایک زہر سا گھول دیا۔ اس پر والد کے انتقال کے بعد سوتیلی ماں اور اس کی بیٹی کا رویہ ناقابل برداشت ہو گیا تو اس کے بھیا اسے لے کر کرائے کے ایک سستے سے مکان میں چلے آئے۔

اس وقت بھیا کی عمر بیس سال کے لگ بھگ تھی۔ اتنی کم عمری میں انہوں نے ریحان کی ذمہ داری اپنے سر مول لے لی تھی۔ باپ کی طرف سے ورثے میں جو تھوڑا بہت روپیہ ملا تھا بھیا نے اس روپے سے اپنا اور اس کی تعلیم کا خرچ اٹھایا اور گھر کا خرچ چلانے کو ٹیوشن کرتے رہے اور جب انہوں نے اپنی تعلیم مکمل کرلی تو ایک بینک میں انہیں معقول ملازمت مل گئی۔

اس دوران ریحان برابر پڑھتا رہا۔ وہ بڑا خوددار اور غیور تھا۔ بھیا کے کندھوں پر اپنی تمام ذمہ داری دیکھ کر میٹرک کرتے ہی ٹیوشن پڑھانے لگا تاکہ پڑھائی بھی جاری رہ سکے اور اس کا جرمنی جاکر ڈپلوما لینے کا ارادہ بھی پورا ہو جائے۔ اور ٹیوشن کا معاوضہ جوڑ جوڑ کر اور بھیا سے کچھ نقد لے کر بالآخر اس نے اتنی رقم جمع کر ہی لی کہ اپنا کورس مکمل کرتے ہی جرمنی چلا گیا اور وہاں جاکر جانے کے باوجود وہ وہاں کے رنگین اور حسین ماحول سے بچا ہی رہا۔

دنیا میں سوائے اپنے بھیا کے اس نے اور کسی کو اپنا ہمدرد نہ پایا تھا۔ لہٰذا بھیا سے انتہا ... کوئی تعجب کی بات نہ تھی۔ جرمنی سے واپس آکر جب اپنی خوب صورت اور پیاری پیاری بھابی کی بے انتہا چاہت ملی تو وہ بھابی کو بھی بھیا کی طرح چاہنے لگا۔ اور اسی روز جب بھابی کا پندونصائح اور ہدایات

سے بھرپور خط پھر ملا تو کسی نہ کسی طرح وقت نکال کر وہ ان کے میکے پہنچا ہی تھا کہ یہ درگت بنی۔ بھابی کے میکے والے ایسے فتنہ پرداز اور بداخلاق ہوں گے اسے گمان بھی نہ تھا۔ بہرحال اپنی رہائش گاہ پر پہنچ کر اس نے جب سے پہلا کام کیا کہ بھابی کو خط لکھنے بیٹھ گیا۔

"جلد ہی مجھے محکمے کی طرف سے گھر ملنے والا ہے۔ اس لیے آپ کے عزیزوں کو تکلیف دینا کچھ مناسب نہیں لگتا۔ ہفتے عشرے کی تو بات ہی ہے۔"

یہ سفید جھوٹ چڑیوں کی ان بلاؤں سے محفوظ رہنے کے لیے اس نے بولا تھا اور جب بھابی نے خوشی کا اظہار کرتے ہوئے اس کے جواب میں لکھا کہ چلو مبارک ہو یہ اور بھی اچھا ہے کہ تمہیں اپنے محکمے کی طرف سے مکان مل رہا ہے تو اس نے اطمینان کا سانس لیا۔ کم از کم وہاں جانے کے خوف ناک تصور سے تو اسے چھٹکارا مل گیا ہے۔ مگر جب بھابی اور بھیا ایک دن بغیر اطلاع دیئے اس کی ہوٹل کی رہائش گاہ پر پہنچے تو وہ بوکھلا کر رہ گیا۔ ہفتہ عشرہ نہیں پورے بیس دن گزر چکے تھے اور فی الوقت بات ٹالنے کی غرض سے وہ بھابی کے پچھلے خط کا جواب بھی گول کر گیا تھا۔ مگر بھیا اور بھابی کی اچانک آمد اس کی پریشانی میں اضافہ کر گئی۔

بھابی کے استفسار پر اس نے مزید جھوٹ سے کام لے کر بتایا کہ محکمے کی طرف سے صرف شادی شدہ ملازموں کو مکان مل سکتا ہے۔ بس پھر کیا تھا۔ بھابھی کے ہاتھ ایک نئی بات آگئی۔ جو ان کے بقول سب سے اہم اور ضروری تھی۔ بھابی کا بس چلتا تو اپنی اس مختصر ترین رہائش کے دوران ہی اس کے سر پر سہرا بندھوا دیتیں۔ لیکن شادی بیاہ کے معاملے اتنے معمولی نہیں ہوتے جو آسانی سے اور گھڑی کی چوتھائی میں طے ہو جائیں۔ پھر بھی ان کی خواہش تھی کہ ریحان جلد از جلد شادی کر لے۔ مگر ریحان تھا کہ کسی طرح راضی ہی نہیں ہوتا تھا۔

"ابھی تو میں ڈھنگ سے سیٹل بھی نہیں ہوا ہوں

بھابھی۔ اگر ایسی ہی آپ کی خواہش ہے تو پھر کبھی پوری کر لیجیے گا۔ ابھی تو کم از کم ایک ڈیڑھ سال تک میں پُرسکون زندگی گزارنی چاہتا ہوں۔"

لیکن بھابی بھلا اس کا کوئی عذر سنتیں۔ ان کا اصرار تھا کہ نسبت اب طے ہو جائے نکاح بعد میں ہوتا رہے گا۔ دراصل وہ اس قدر لائق اور خوب صورت اور نیک دیور کو ہاتھ سے جانے دینا نہیں چاہتی تھیں۔ ان کی بہت سی بہنیں تھیں۔ انہوں نے سوچا تھا کہ جو ریحان کے معیار پر پوری اترے گی اس سے ریحان کو باندھ دیا جائے گا اور یہی سب سوچ کر وہ زبردستی اسے اپنے میکے لے جانا چاہتی تھیں اور ان کے میکے کے نام سے وہ یوں بدکتا تھا جیسے اڑیل گھوڑا اپنے مالک کو دیکھ کر بدکتا ہے۔ آخر بھیا اور بھابی کے بے حد اصرار پر اسے ہتھیار ڈالنا ہی پڑے۔

گیٹ عبور کر کے، آم کے گھنے درختوں کے نیچے سے گزرتے وقت، سامنے یا پیچھے دیکھنے کے بجائے منہ اونچا کیے وہ درختوں کو دیکھتا چل رہا تھا۔ اسی احتیاط سے شاید کہ کہیں پہلے جیسی صورت حال کا سامنا کرنا پڑ جائے۔ تبھی اپنے بھیا سے وہ پچھ اس بری طرح ٹکرایا کہ چاروں شانے چت فرش پر جا گرا اور اس کے ساتھ ساتھ بھیا بھی چھوٹ کھا کر زمین پر آ رہے۔

"ارے بھئی دیکھ کر تو چلا کریں۔" دونوں بھائیوں کی ہیئت کذائی پر بھابی ہنس کر بولیں۔

"یہ تو سدا کا احمق ہے بھلا منہ اٹھا کر چلنے کی بھی کوئی تک تھی مجھے بھی اپنی لپیٹ میں لے لیا۔" بھیا اپنی خفت مٹاتے اور کپڑے جھاڑتے کہہ رہے تھے اور وہ دل ہی دل میں اپنے آپ کو کوستا ابھی تک زمین پر ہی پڑا تھا۔

"اب اٹھ بھی چکو دیکھو وہ تمہاری بھابی کی بہنیں آ رہی ہیں۔" بھیا نے کچھ بیزاری سے ٹوکا۔

"کیا زیادہ چوٹ لگ گئی۔" بھابی نے جھکتے ہوئے پوچھا۔

مگر اس نے ان کی بات سنی ان سنی کر دی۔ جلدی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی تمام تر توجہ بھابی کی بہنوں کی طرف مبذول تھی۔ ایک دو نہیں بلکہ لڑکیوں کی پوری فوج کی فوج چلی آ رہی تھی۔ یا اللہ بھابی کی بہنوں کی تعداد کا یہ عالم ہے تو ان کے بھائی جو بقول ان کے تعداد میں پورے سات ہیں، پوری پاکستان الیون نہیں، بلکہ مخالف ٹیم کے لوگ بھی شامل کرنے پڑیں گے۔ اس نے دل ہی دل میں اندازہ لگا کر ایک جھرجھری لی۔

لڑکیاں جو کسی جنگلی بیڑے کی طرح آگے بڑھ رہی تھیں، بھابی سے اس طرح ٹکرائیں جیسے ایک حریف کی پیدل فوج دوسرے حریف سے ٹکراتی ہے اور لطف یہ کہ سب کی سب ایک ساتھ بول رہی تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے معانقہ نہیں فساد بپا ہو رہا ہے اور ان میں وہ بھی تھی، وہ چرب زبان، بے لگام اور لڑاکا لڑکی، جو اس وقت بڑی معقولیت سے بھابی کے گلے لگ کر ایک طرف خاموش کھڑی تھی۔ مگر ریحان اس سے سہما سہما نظریں کتراتے ادھر ادھر دیکھ رہا تھا۔

"ارے، ان سے تو ملو، یہ میرے دیور ریحان ہیں۔ جن کے بارے میں میں نے امی کو لکھا تھا۔"

بھابی نے ڈھیر سارے جدید و قدیم نام لے کر سب کی توجہ ریحان کی طرف مبذول کرائی اور بڑے فخریہ انداز میں سب کی طرف دیکھا۔

"اچھا۔۔۔ اچھا تو یہ آپ کے دیور ہیں" ان ہی میں سے ایک لڑکی نے اس پر اوپر سے نیچے تک ایک شوخ سی نظر ڈال کر کہا۔ کچھ معنی خیز اشارے ہوئے اور سب نے مل کر ایک قہقہہ لگایا۔

بھلا یہ بھی کوئی موقع تھا قہقہہ لگانے کا، بداخلاق لوگ۔ ریحان نے دل میں سوچا۔ بھابی نے بھی گھور کر بہنوں کو دیکھا اور جلدی سے آگے بڑھتی ہوئی بولیں۔

"ارے کیا یہیں کھڑے رہنے کا ارادہ ہے چلو اندر سب کو بلا کر لاؤ۔"

پھر بھابی جیسے ہی بھیا اور بہنوں کے ہراول دستے کو لے کر آگے بڑھیں، وہ موقع پا کر چپکے سے وہاں سے

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com
UrduPhoto.com

کھسک آیا اور جب دوسرے دن بھابی اور بھیا نے آکر چوروں کی طرح چھپ کر چلے آنے کی اس سے وجہ پوچھی تو وہ الٹا بھابی کے سر ہو گیا۔

"واہ بھابی! آپ بھی خوب ہیں' خود تو بھیا کو لے کر اندر چلی گئیں اور مجھے ڈرائیوروں کی طرح کار کی چوکسی کرنے کو باہر ہی چھوڑ دیا۔ پھر میں وہاں سے آتا نہیں تو کیا کرتا۔"

"ارے ہاں' واقعی مجھے تو باتوں میں کچھ خیال ہی نہ رہا' مگر تم کو بھی اتنا تکلف نہیں برتنا چاہیے تھا۔" بھابی کچھ خفیف سی ہو کر بولیں۔

"خیر کوئی بات نہیں' پھر چلا جائے گا اب تو اس کو وہیں رہنا ہے۔" بھیا نے بات کو مختصر کرنے کی غرض سے ایک نیا شوشا چھوڑا۔

"ہاں سنو' میں نے تمہاری رہائش کا بندوبست کر دیا ہے ریحان۔ ہوٹل کے اس کمرے میں آخر کہاں تک رہتے۔" بھابی نے اپنی حسن کارکردگی کا اظہار کرتے ہوئے مزید انکشاف کیا۔

"لیکن بھابی! مجھے تو یہاں کوئی تکلیف نہیں' اور آپ کو تو معلوم ہے میں تنہائی پسند ہوں۔" اس نے گھبرا کر کہا۔

"وہاں کون سے نقارے بجتے ہیں جو تمہاری تنہائی میں فرق پڑے گا۔ ایک دو دن کا معاملہ ہو تو ہوٹل ٹھیک بھی رہتا ہے؟" بھابی کے بجائے بھیا نے اس کے انکار پر جھلا کر کہا۔

"اور کیا' کمرہ بھی تو چھوٹا ہے' ہوا کے رخ پر بھی نہیں ہے' تم بے فکر رہو وہاں تمہارے آرام کا خاص خیال رکھا جائے گا۔ میں نے تمہاری تنہائی پسند طبیعت کو دیکھتے ہوئے بالکل الگ تھلگ جگہ میں تمہاری رہائش کا انتظام کیا ہے۔" بھابی نے مزید اطمینان دلایا۔

اف یہ بھیا اور بھابی' جس چیز کے پیچھے پڑ جاتے ہیں اسے کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ اس نے ناگواری سے سوچا۔

"اوہ بھابی! آپ کی محبت کا بے حد شکریہ' میں جہاں ہوں فی الحال مجھے وہیں رہنے دیجئے۔ اگر مجھے یہاں کوئی تکلیف پہنچی تو میں بلا تامل وہاں چلا جاؤں گا۔"

اس نے کچھ اتنی عاجزی سے کہا کہ بھابی نے مزید اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا اور بات آئی گئی ہو گئی۔ بھابی اور بھیا پورے بیس دن رہے۔ کتنی ہی کوشش کر ڈالی کہ اسے اپنے میکے لے جائیں مگر ہر دفعہ وہ بڑی خوب صورتی سے کوئی نہ کوئی عذر کر کے وہاں جانے سے بچ جاتا تھا۔ پھر جب بھیا اور بھابی واپس پشاور چلے گئے تو اس نے سکون کا سانس لیا۔

کچھ دن تو بڑے امن و امان اور خاموشی سے گزر گئے' رہائش کے چکر میں بھابی اس کی شادی کے مسئلے کو بھلا بیٹھیں ورنہ تو ایک نئی مصیبت کا سامنا کرنا پڑتا۔ یہ سوچ کر ایک خوش کن سے احساس کے ساتھ وہ مسکرا دیتا۔ مگر ایک دن بھیا کا تفصیلی خط آیا جس میں شادی کرنے کے اصرار کے ساتھ ساتھ بھیا نے فیصلہ کن انداز میں یہ بھی لکھ دیا تھا کہ۔

"تمہارے لیے میں نے تمہاری بھابی کی ایک بہن کا انتخاب کیا ہے' وہ تمہاری بھابی کی سگی چچا زاد بہن ہے' اپنے والدین کی اکلوتی اولاد ہے' تعلیم یافتہ' سگھڑ' خوش مزاج اور بڑی با اخلاق ہے۔ پھر سب سے بڑھ کر بڑی خوب صورت ہے۔ تمہاری بھابی کی دلی خواہش ہے کہ وہ تمہاری دلہن بنے۔ مجھے تم سے امید ہے کہ تم اپنی بھابی کی اس خواہش کا احترام کرو گے' وہ تمہیں سگے بھائیوں سے زیادہ چاہتی ہیں اور تمہاری فکر میں ہر دم گھلتی رہتی ہیں اور یہ تمہارے لیے بڑی خوش نصیبی اور فخر کی بات ہے کہ تمہیں اتنی چاہنے والی بھابی ملی ہے۔"

بھیا کا خط پڑھ کر اس نے بیزاری سے سوچا۔ یہ بھیا اور بھابی نہ جانے کیوں مجھے اس قدر بے زبان اور بے وقوف سمجھتے ہیں۔ جو میری زندگی کے سب سے اہم اور نازک مسئلے کو بالا ہی بالا اپنی مرضی سے طے بھی کر دیا اور وہ بھی اپنی سالی صاحبہ سے' کہیں یہ وہی لڑکی تو

نہیں؟ اس کے تصور سے ریحان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ خدا بچائے اس نے آنکھیں بند کر کے کہا۔

بھیا کے خط کا جواب دینے کی اس نے ضرورت محسوس نہ کی۔ مگر بھیا اور بھابی کو بھلا کل پڑتی۔ اس کے خط کے جواب کا انتظار کر کے ایک روز انہوں نے آفس ہی میں اسے فون کیا اور غیر متوقع طور پر بھیا کی آواز سن کر وہ بے طرح گھبرا گیا۔

ادھر انہوں نے اس کے جواب نہ دینے کو شرم پر محمول کرتے ہوئے یہ نادر شاہی حکم دیا۔ "بس تم کل تیار رہنا' تمہاری بھابی کے والد' چچا اور بھائی یا تو آفس میں تم سے آکر ملیں گے یا ہوٹل میں۔ ذرا ڈھنگ سے ان سے بات کرنا' کبھی حسب عادت شرماؤ یا گھبراؤ۔ وہ لوگ تمہیں دیکھنے آ رہے ہیں۔ مجھے تمہاری بھابی کا بس چلتا تو وہ بھاگی بھاگی تمہارے پاس پہنچتیں' مگر میری تکلیف کے خیال سے نہیں آ سکیں' اچھا خدا حافظ۔"

بھیا نے اپنی بات ختم کر کے فون بھی بند کر دیا اور وہ ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ اس روز تو اسے سچ مچ غصہ آ گیا۔ "نہ جانے بھیا اور بھابی نے مجھے کیا سمجھ لیا ہے۔ میں کوئی ان کے ہاتھ کا کھلونا تو نہیں کہ جس کل وہ گھمائیں گھوم جاؤں۔ اول تو کوئی ایسا ارادہ ہی نہیں اور اگر بالفرض محال ہو بھی تو اپنی زندگی کا شریک خود ہی چنوں گا۔" اس کے خیال میں شادی بیاہ کسی جھنجھٹ سے کم نہ تھے اور بیوی کا تصور اس کی آزاد اور پر سکون زندگی کے لیے کسی قید سخت اور مصیبت سے کم نہ تھا۔

بھیا کے فون کے بعد وہ کوئی کام ٹھیک طرح انجام بھی نہ دے سکا۔ موڈ سخت آف ہو چکا تھا۔ ناسازی طبع کا بہانہ کر کے وہ آفس سے اٹھ آیا۔ اپنی کار سنبھالی اور شہر کی سڑکوں پر بلا مقصد گھومنے لگا۔ ہوٹل جانے میں بھی خطرہ لاحق تھا.... اسی لیے شہر کی خاک چھانتا پھرا اور جب خطرہ ٹل گیا اور ان لوگوں کے آنے کا امکان نہ رہا تو رات گئے ہوٹل پہنچا۔

مگر وہ لوگ تو جیسے ادھار کھائے بیٹھے تھے' ایک دن بغیر اطلاع کے آفس پہنچ گئے۔ ناچار ریحان کو ان سے ملنا پڑا۔ گو وہ بہت رکھائی اور غیریت سے پیش آیا مگر ان لوگوں نے اس کے روکھے پھیکے رویئے کی زیادہ پروا نہ کی۔ بھیا کی اطلاع کے مطابق وہ بہت شرمیلی طبیعت کا تھا اور پھر آج کل تو اچھے لڑکوں کی کمی ہے۔ اچھے لڑکے بھلا آسانی سے کہاں مل سکتے ہیں۔ پھر بھلا اسے پسند نہ کیا جاتا۔ بھابی کے میکے والے دوسرے دن اسے چائے پر مدعو کر گئے۔ اسے معلوم تھا کہ چائے پر بلانے کا تو محض بہانہ ہے' اصل میں تو اسے بر دکھوے کو بلایا جا رہا ہے وہاں کسی بھی بہانے جانا اسے کسی صورت بھی گوارا نہ تھا۔ یہی سوچ کر اس نے اس روز آفس سے جلد اٹھنے کا تہیہ کر لیا کہ نہ وہاں موجود ہوں گا نہ انہیں جانے کا سوال پیدا ہو گا۔ مگر اتفاق سے اس روز کام کچھ اتنا بڑھ گیا کہ جلدی کرتے کرتے بھی چار بج گئے وہ جلدی سے اپنی کار کی طرف بڑھا مگر یہ دیکھ کر دھک سے رہ گیا کہ بھابی کے دو بھائی صاحبان وہاں پہلے سے منتظر تھے۔ اب تو فرار کی کوئی راہ بھی نظر نہ آئی۔ بادل نخواستہ اسے ان کے ساتھ جانا ہی پڑا۔ وہاں پہنچ کر ہر لمحے کسی نئی آفت کے لیے تیار رہنے کے باوجود کوئی ایسی بات نہ ہوئی جو اس کی پریشانی یا کوفت کا سبب بنتی بلکہ بھابی کے بھائیوں' چچاؤں' والد اور والدہ نے اس کی خوب خاطر تواضع کی بڑے صاف ستھرے اور سنجیدہ ماحول میں اس سے باتیں ہوئیں' خلوص و اپنائیت کا اظہار اس درجے کیا گیا کہ وہ متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ پھر تو یہ ہونے لگا کہ ان لوگوں کے بلانے پر وہ ان کے ہاں نہ جاتا تو وہ دوسرے دن خود آ دھمکتے اور اخلاقاً اسے ان کے ساتھ جانا پڑتا۔

ایک دن اچانک ہی بھابی کا فون آ گیا۔ اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اسے معلوم ہوا کہ بھابی اسے اپنے میکے سے فون کر رہی ہیں اور وہ پشاور سے اکیلی ہی آئی ہیں۔ انہوں نے اسے فوری طور پر بلایا تھا اور وہ پہلی فرصت میں ان کے پاس جا پہنچا۔ مردوں میں سے

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com
UrduPhoto.com

شاید کوئی بھی گھر پر نہ تھا۔ گھر کے ملازم نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا دیا اور اس کی آمد کی اطلاع کرنے اندر چلا گیا۔ کافی دیر گزر گئی بھابی نہ آئیں۔ اسے کوفت سی ہونے لگی' خوب ہیں بھابی بھی مجھے تو ایکسپریس ڈیلوری کی طرح آنے کی تاکید کی تھی اور خود کا اب تک پتا ہی نہیں۔ جب ان کا انتظار کرتے کرتے تھک گیا تو بھابی کے بجائے وہی ملازم لڑکا بڑے اہتمام سے ایک ٹرے میں کسی مشروب کا گلاس لیے آتا نظر آیا وہ ٹرے رکھ کر جانے لگا تو ریحان نے اس سے کہا۔

"سنو لڑکے! پشاور سے جو بیگم صاحب آئی ہیں' ان کو جلدی بھیجو۔۔۔ تم نے انہیں میرے آنے کی اطلاع بھی دی؟" اور جواب میں ملازم لڑکے نے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور ہنستا ہوا اندر چلا گیا۔ اسے ملازم کی یہ گستاخی بہت کھلی۔ جی چاہا کہ شربت کا گلاس مع ٹرے کے ملازم کے منہ پر دے مارے' لیکن وہ اندر جا چکا تھا۔

مشروب کا گلاس یونہی پڑا گرم ہو رہا تھا۔ اس نے پلٹ کر گلاس کی طرف دیکھا بھی نہیں وہ تو بھابی سے ملنے آیا تھا بلکہ ان کے بلانے پر آیا تھا اور وہ کسی طرح آ ہی نہیں چکتی تھیں۔ یکبارگی اس کی نگاہ ٹرے میں رکھے مشروب کے گلاس پر پڑی جس کے نیچے ایک پرچہ دبا ہوا نظر آیا جس پر کچھ لکھا ہوا تھا۔ یونہی بے خیالی میں اس نے وہ پرچہ گلاس کے نیچے سے نکالا۔۔۔۔۔ مگر عبارت پر نظر پڑی تو غصے کے مارے وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔۔۔ پرچے پر لکھا تھا۔

"تشریف آوری کا بے حد شکریہ۔۔۔ امید ہے کہ آئندہ بھی اپنی نت نئی حماقتوں سے یونہی نوازیں گے۔ مسٹر فرسٹ اپریل فول"

ظاہر ہے یہ تحریر دیکھ کر اس کا کیا حال ہوا ہو گا۔ مارے غصے کے اپنی کار تک پہنچنا اسے دوبھر ہو گیا۔۔۔۔ اس پر ڈرائنگ روم سے گاڑی تک کا فاصلہ طے ہوتے بہت سے نسوانی قہقہے اس کا تعاقب کرتے رہے' اور گاڑی میں بیٹھ کر جب اس نے ونڈ اسکرین پر نظر ڈالی تو بڑے بڑے حرفوں میں "فرسٹ اپریل فول" لکھا نظر آیا۔۔۔ حتیٰ کہ اسٹیئرنگ پر بھی فرسٹ اپریل فول کی پرچی نظر آئی اور جب گھر آ کر حروف مٹاتے وقت اس کی نظر ڈگی پر پڑی تو وہاں بھی یہی خرافات لکھی تھی۔

"عجیب جاہل لوگ ہیں۔۔۔ یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ فرسٹ اپریل فول ہم مسلمانوں کی غیرت پر ایک تازیانہ ہے۔ اس کی ابتدا ہماری تذلیل کے خیال سے ڈالی گئی تھی۔۔۔ مجھے تو ذرا بھی معلوم نہیں تھا کہ آج اپریل کی پہلی تاریخ ہے۔۔۔ معلوم ہوتا ہے گھر میں کوئی مرد موجود نہ تھا۔ یہ ساری کارستانی چڑیلوں کی ان بلاؤں کی معلوم ہوتی ہے۔ خاص طور پر اسی منہ پھٹ لڑکی کی۔۔۔ شاید بھابی کو میرے سوا دنیا میں کوئی احمق اور لاوارث نظر نہیں آیا۔ اسی لیے تو وہ یہ زبردستی کا رشتہ قائم کرنا چاہتی ہیں۔ لیکن میں ہرگز ہرگز ایسا نہ ہونے دوں گا۔" اس نے ان کے مذاق کو اپنے وقار کا مسئلہ بنا لیا تھا۔۔۔ اور اس واقعہ کے بعد تو وہ ان سے اور بھی متنفر ہو گیا تھا۔ پتہ نہیں یہ نعمانہ صاحبہ کون ہیں۔ میں نے تو اتنی ساری لڑکیاں دیکھی تھیں اس دن اور سب ایک ہی جیسی لگ رہی تھیں۔ کہیں یہ وہی بیہودہ لڑکی تو نہیں ہے جس نے اس روز مجھ سے زبان درازی کی تھی۔۔۔ اس کا خیال آتے ہی اس نے جلدی سے کانوں کی لویں چھوئیں۔ توبہ وہ تو لڑکی کے روپ میں کوئی شتابہ ہے۔ خوب صورت بلا شاید ایسی لڑکیوں کو کہتے ہیں۔ پہلے تو اسے لڑکی ذات سے صرف چڑ ہی تھی مگر ان واقعات کے بعد تو کسی لڑکی کے تصور سے بھی اسے نفرت ہو گئی۔ اس نے تہیہ کر لیا کہ چاہے وہ لوگ برا مانیں یا بھابی روٹھ جائیں وہ اب ان کے گھر قدم نہیں رکھے گا۔

لیکن چند ہی دن گزرے تھے کہ بھابی کے دونوں بھائی اظہر اور اسلم ایک دن پھر اس کے آفس آ دھمکے۔ گو وہ ان سے بہت بے رخی سے پیش آیا

دونوں بھائیوں کا خلوص اور یگانگت ایسی نہ تھی کہ وہ زیادہ دیر بے رخی برتتا۔ اظہر اور اسلم ایسے موقع پر آئے تھے کہ وہ اپنا کام ختم کر کے ہوٹل جا رہا تھا۔ دونوں بھائی اسے زبردستی گھر لے آئے۔ شرما حضوری میں وہ ان کے ساتھ چلا تو آیا مگر یہاں آنا بہت کھلا۔۔۔۔ اس روز تو بدتمیزی اور بداخلاقی کی انتہا ہو گئی۔

اسے ڈرائنگ روم میں بٹھا کر دونوں بھائی اندر چلے گئے اور کافی دیر تک واپس نہ پلٹے تو اسے الجھن سی ہونے لگی۔۔۔ یہ سوچ کر کہ کہیں کسی نئی صورت حال کا سامنا نہ کرنا پڑے' وہ بے چینی سے پہلو بدلنے لگا۔ اس پر قریب ہی کہیں سے دبی دبی سرگوشیوں اور ہلکے ہلکے نسوانی قہقہوں کی آواز آئی۔ اسے یہ سمجھنے میں دیر نہ لگی کہ اس کے خلاف کوئی سازش عمل میں لائی جا رہی ہے۔ اس سے پہلے کہ کوئی ایسی بات ہو' مجھے یہاں سے چلا جانا چاہیے' اس نے سوچا اور ایک لمحہ ضائع کیے بغیر تیزی سے باہر نکل گیا۔ گھر کے پالتو گدھے کے برابر کتے نے یوں جاتے دیکھا تو اتنی زور سے بھونکا کہ ڈر کر ریحان تیزی سے اپنی گاڑی کی طرف بھاگا۔

یہ دیکھ کر کتا آپے میں نہ رہا۔ زور لگا کر زنجیر تڑائی اور ایک ہی جست میں اس کے سر پر پہنچ گیا۔ وہ تو غنیمت ہوا کہ وہ گاڑی میں بیٹھ چکا تھا۔

کتے کی آواز سن کر اظہر اور اسلم دوڑے دوڑے باہر آئے اور ڈانٹ کر کتے کو قابو میں کرنے لگے۔۔۔ اتنے میں ریحان نے کار کو اسٹارٹ کیا اور گیٹ سے باہر نکل گیا۔ اظہر اور اسلم اسے جاتا دیکھتے ہی رہ گئے۔

اس واقعے کے بعد تو وہ اظہر اور اسلم سے بھی کبیدہ خاطر ہو گیا۔ اس جذبے کے عالم میں بھابی کو نہ جانے کیا کیا لکھ ڈالا۔ خط کو دوبارہ پڑھنے کی زحمت بھی گوارا نہ کی اور پوسٹ کر دیا۔ چوتھے ہی دن خط کا جواب حاضر تھا۔ بھیا نے اچھی خاصی خبر لے ڈالی تھی۔ ہر بات کا ذمہ دار اس کو ٹھہرا کر انہوں نے لکھا تھا۔

"تمہارا خط پڑھتے ہی اظہر وغیرہ سے میں نے فون پر بات کی۔ ان کا کہنا ہے کہ ہم تو ریحان صاحب سے گپ شپ لڑانے انہیں گھر لائے تھے۔ مگر گھر پہنچتے ہی اسلم تو پنڈی سے آئی ہوئی کال ریسیو کرنے چلے گئے اور میں ریحان صاحب کو بٹھا کر اندر چلا گیا تاکہ ان کے لیے چائے وغیرہ تیار کرا سکوں۔ اتفاق سے خانساماں موجود نہ تھا اور دوسرے ملازم کو میں نے ناشتہ لانے کے لیے بازار بھیج دیا تھا۔ امی وغیرہ بھی کہیں گئی ہوئی تھیں اس لیے بہنوں کو چائے تیار کرنے کو کہا اور آ ہی رہا تھا کہ کتے کے بھونکنے کی آواز آئی۔ اسلم بھی اس کے دھاڑنے پر باہر کی طرف دوڑے تو معلوم ہوا کہ وہ ریحان صاحب پر بھونک رہا ہے' ہم نے اسے اسی وقت قابو میں کر لیا۔ آپ کو معلوم ہی ہے کہ کتا اجنبی آدمیوں پر اسی طرح بھونکتا ہے اور ملازم لڑکے کا کہنا ہے کہ ریحان صاحب اسی سے ڈر کر بھاگے تھے۔ ظاہر ہے کہ انہیں بھاگتا دیکھ کر کتا بے قابو ہو گیا اور زنجیر تڑالی۔ اب بتائیے بھلا اس میں ہمارا کیا قصور۔۔۔ البتہ ہم شرمندہ ضرور ہیں کہ ہمارے یہاں آ کر ریحان صاحب کو تکلیف پہنچی اور وہ ایسے خفا ہوئے کہ ہمارے بلانے کے باوجود پلٹ کر ہماری طرف دیکھا تک نہیں۔"

پھر بھیا نے یہ بھی لکھا تھا۔

"تم اپنے جذباتی پن میں یہ بھی بھول گئے کہ تمہاری بھابی کو یہ خط پڑھ کر تکلیف پہنچے گی۔ وہ تم کو کس قدر چاہتی ہیں اور انہیں تم پر کتنا مان ہے۔۔۔ کس چاؤ سے وہ تمہارا رشتہ طے کرانے کی کوشش کر رہی ہیں۔ اب تم نے انکار کے ساتھ ساتھ ان کے میکے والوں کو غیر مہذب' ناشائستہ اور بداخلاق وغیرہ کہہ کر ان پر زبردست چوٹ کی ہے۔۔۔ یہ بات تو مجھے بھی بری لگی۔ تم آخر ان لوگوں سے میرا بھی قریبی تعلق ہے اور تمہاری بھابی نے تو جب سے تمہارا خط پڑھا ہے' برابر روئے جا رہی ہیں۔ دنیا میں ہر قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے' مگر تمہاری طرح ہر کوئی یوں ایک ایک بات پکڑتا ہے نہ دل برداشت ہوتا ہے۔ تم نے اپنی بھابی

کے احساسات کو جو ٹھیس پہنچائی ہے اس کا ازالہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اب تم خود آ کر انہیں مناؤ اور ان سے معافی مانگو۔"

خط پڑھ کر وہ اپنے ہونٹ کاٹتا سوچتا رہ گیا کہ یہ خوب رہی۔ اب بھائی جان کو مناؤ' ان سے معافی مانگو گویا الٹی آنتیں گلے پڑیں۔ کمال ہے' یعنی میری تو نہ کوئی حیثیت رہی نہ اوقات۔ جیسے ساری دنیا میں سب سے فالتو انسان میں ہی ہوں! بہرحال اسے اچھا لگا یا برا۔ بھائی کی خاطر ملحوظ رکھنے کو اسے چھٹی لے کر انہیں منانے جانا پڑا۔ بھائی اس قدر عزیز جو تھیں اور پھر بھیا نے یہی نسخہ لکھا تھا اور اس کی سادگی' کمزوری اور چھوٹائی سے فائدہ اٹھا کر بھائی نے اسی شرط پر معاف کیا کہ وہ ان کی بات مان جائے اور ان کے منتخب کردہ رشتے کو منظور کرے اور اسے منظور کرتے ہی بنی۔

......*

پھر بلا تاخیر اس کی شادی نعمانہ سے کر دی گئی۔ شاید بھائی کی سخت تنبیہہ کی وجہ سے بڑے محتاط انداز میں شرائط کی گئیں۔ ہوٹل کا کمرہ چھوڑ کر تین کمروں کا ایک مختصر سا بنگلہ کرایہ پر لے لیا گیا۔ وہیں وہ نعمانہ کو بیاہ کر لے گیا۔ سلسلہ جنبانی کے دوران اس نے ایک مرتبہ بھی نعمانہ کو دیکھنے کی خواہش ظاہر نہ کی تھی۔ وہ تو نسبت طے ہو جانے کے بعد گنگ سا ہو کر رہ گیا تھا۔ اس کی بے انتہا خاموشی' چشم پوشی اور لاتعلقی کو دیکھ کر اس کے بھیا بڑے فخریہ انداز میں اپنے سسرال والوں سے کہتے۔ "میرے بھائی نے لڑکیوں کو بھی مات کیا۔ اس نے ایک دنیا دیکھی ہے مگر آج کل کے بے راہ رو اور بے باک لڑکوں کا سایہ تک اس پر نہیں پڑا۔ [illegible] ہے۔ فرخندہ نے کتنی بار کہا بھی کہ لڑکی دیکھ لو' مگر وہ یا تو سر جھکا کر خاموش ہو گیا یا یہ کہہ کر بات ٹال دی کہ آپ نے اور بھیا نے تو دیکھ لیا ہے۔ میرے لیے بس یہی کافی ہے۔ تب ہی تو یہاں آنے سے کتراتا ہے۔"

اور ادھر وہ تھا کہ اپنے بھیا اور بھابی کی ضد اور اصرار پر شادی کے لیے رضامند تو ہو گیا تھا مگر قلبی اور ذہنی طور پر ازدواجی زندگی کے جھمیلوں میں پڑنے سے سخت بیزار تھا اور دل ہی دل میں ہونے والی رفیق حیات سے اگلے پچھلے سارے بدلے نکالنے کا فیصلہ کر بیٹھا تھا۔ اتفاقیہ طور پر آرسی مصحف کے دوران نعمانہ کے چہرے پر ایک اچٹتی سی نظر پڑی تو اس نے اس ایک ہی نظر میں اسے پہچان لیا' وہی زبان دراز اور بدتمیز لڑکی تھی جس نے اس دن سخت بے ہودگی کا مظاہرہ کیا تھا۔ اس انکشاف نے اس کی انتقامی حس کو کچھ زیادہ ہی بیدار کر دیا۔

اور رخصتی کے وقت جب سب کے اصرار پر اسے نعمانہ کو زبردستی گود میں اٹھا کر کار تک لے جانا پڑا تو ایک تو پیڑوں کی ان بلاؤں نے جو تعاقب کر دیا۔ اس پر کسی نے اس کی پیٹھ پر اتنے زور سے چٹکی لی کہ نعمانہ اس کے ہاتھوں سے چھوٹتے چھوٹتے بچی۔ اس چٹکی نے تو گویا اس کے جذبہ انتقام کو اور بھی بھڑکا دیا۔ کیونکہ اس کا خیال ہی نہیں بلکہ یقین تھا کہ یہ چٹکی نعمانہ نے ہی بھری ہو گی۔ آرسی مصحف کے وقت تو وہ لڑکیوں کے نرغے میں گھرا اکھڑا تھا۔ کسی نے چٹکی تو کیا ہاتھ بھی نہ لگایا۔ اس جیسی لڑکی کی فطرت سے تو بعید بھی نہیں کہ وہ ایسے نازک موقع پر بھی اپنی شرارت سے باز نہ آئے۔

اور جب انتقام کی آگ دل میں بھڑکائے اس نے حجلۂ عروسی میں قدم رکھا تو ایک ہی صورت حال اس کی منتظر تھی۔ ان شریروں نے ستم یہ کیا کہ گھر کی ایک پرانی اور بوڑھی ملازمہ کو نعمانہ کا زرتار دوپٹہ پہنا دیا تھا اور عروسی سیج پر بٹھا دیا تھا۔ ریحان نے کمرے میں داخل ہو کر بیٹھتے تو بڑے اطمینان کے ساتھ کپڑے تبدیل کیے پھر کچھ دیر ٹہل کر کچھ سوچتا رہا۔ دل و دماغ کے درمیان شدید کشمکش جاری تھی۔ عقل کام کر ہی نہیں رہی تھی کہ اپنے جذبۂ انتقام کی ابتدا کیسے کی جائے۔ پیٹھ پر چٹکی کا اثر ابھی تک باقی تھا۔ دلہن کو رونمائی میں دینے کے لیے بھائی نے جو ایک خوب صورت مخملیں کیس اس کی جیب میں رکھ دیا

تھا' اسے جیب سے نکال کر اس نے کھول کر دیکھا۔ یہ ایک بیش قیمت لاکٹ تھا جسے بڑی بے دردی سے اس نے ڈریسنگ ٹیبل کی طرف اچھال دیا پھر وہ یکایک مسہری پر بیٹھی سرخ رنگ کی گٹھڑی کی طرف بڑھا اور پھولوں اور زری کی لڑیاں اٹھا کر دلہن کی گردن پر پوری قوت سے چٹکی لے کر بولا۔

"عورت نہیں شتابہ ہو شتابہ۔" وہ بے چاری تلملا کر رہ گئی اور زور زور سے گردن ہلانے لگی جیسے لرزہ چڑھ رہا ہو۔ بیچاری بڑی بی خوف سے تھر تھر کانپ رہی تھیں۔ ریحان کو بڑا لطف آیا۔

"کہیے کچھ لطف آیا۔۔۔ میڈم شتابہ۔" گردن چھوڑ کر اس نے بازو پر چٹکی بھر کر کہا تو بڑی بی بیچاری تلملا اٹھیں۔ دوپٹہ ایک طرف پھینکتے ہوئے لرز کر بولیں۔

"اے دولہا میاں! اللہ رسول کی قسم مجھ بڑھیا کی یہ مجال نہیں جو آپ سے مذاق کرتی۔ مجھے تو زبردستی گھسیٹ کر ان لڑکیوں نے یہاں بٹھا دیا تھا۔" بڑی بی ہانپتی کانپتی عروسی سیج پر بیٹھی کہہ رہی تھیں اور وہ ہکا بکا سا ان کی طرف دیکھ رہا تھا اور کمرے کے باہر دبی دبی سرگوشیوں میں باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔۔۔ جونہی بڑی بی کمرے سے باہر نکلیں' سرگوشیاں قہقہوں میں بدل گئیں اور بڑی بی نے سب کے فضیحتے کرنے شروع کر دیے۔۔۔ وہ ہوش میں آیا تو مسہری پر نظر پڑی' اصلی دلہن نہ جانے کس طرح اور کب وہاں آ کر بیٹھ گئی تھی۔ جسے دیکھ کر اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ ایک جھٹکے سے اس نے دلہن کا زرتار دوپٹہ اتار کر ایک طرف پھینک دیا اور قہر آلود لہجے میں بولا۔

"نکل جاؤ یہاں سے فوراً' ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہو گا۔"

مگر جب دلہن کافی انتظار کے بعد بھی ٹس سے مس نہ ہوئی اور اپنے روایتی انداز میں ہاتھوں سے منہ چھپائے بیٹھی رہی تو وہ خود ہی تیزی سے باہر نکل گیا اور اس طرح وہ حسین اور اہم رات نعمانہ نے رو رو کر گزار دی۔

ریحان کو تو نعمانہ نے اسی روز دل میں بسا لیا تھا جس روز آم پھینکنے کے سلسلے میں وہ اس سے لڑا تھا۔ گو ابتدا میں نعمانہ یہ بات محسوس نہ کر سکی کہ وہ اس حد تک اس کے دل میں گھر کر چکا ہے کہ اس کے علاوہ کسی دوسرے مرد کو دل میں جگہ دینا اس کے لیے ممکن نہیں۔ یہ احساس تو اسے اس روز ہوا تھا جب وہ اپنے بھیا اور بھابی کے ساتھ نعمانہ کی بہن کے دیور کی حیثیت سے اس کے گھر آیا تھا اور اس کے بعد تو نعمانہ نے سچ مچ اسے اپنے دل کی دھڑکنوں میں بسا لیا تھا۔ پھر جلد ہی ریحان سے نعمانہ کی دلی وابستگی کا علم اس کی چچا زاد بہنوں کو بھی ہو گیا۔ بس پھر کیا تھا۔۔۔ بات بات پر ریحان کا نام لے کر اسے چھیڑا جاتا۔ ریحان کی ایک ایک ادا نوٹ کی جاتی اور اس کی سیدھی سادی فطرت کو مذاق کا نشانہ بنایا جاتا۔۔۔ سب ہی کا اندازہ تھا کہ وہ ضرورت سے زیادہ سیدھا ہے بلکہ بیوقوفی کی حد تک سیدھا ہے۔ مگر کسے معلوم تھا کہ وہ سیدھا نہیں' بلکہ بڑی گہری طبیعت کا مالک ہے۔

نعمانہ ریحان کی بھابی فرخندہ کی سگی چچا زاد بہن تھی۔ اکلوتی ہونے کے سبب والدین کی بہت لاڈلی تھی۔ شوخی اور شرارت اس میں کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ گھر میں کوئی ایسا نہ تھا جو اس کی شرارتوں کا نشانہ نہ بنتا ہو۔ خصوصاً" اظہر اور اسلم کا تو اس نے ناک میں دم کر رکھا تھا۔ بھابی کے چھ بھائی اور ان سمیت سات بہنیں تھیں۔ جن میں سے تین کی شادی ہو گئی تھی اور چار ابھی پڑھ رہی تھیں۔ چھ بھائی تھے' دو بھائی حصول علم کے لیے بیرون ملک گئے ہوئے تھے اور دو کراچی یونیورسٹی میں پڑھ رہے تھے۔ صرف اظہر اور اسلم لاہور میں تھے اور برسر روزگار تھے۔ یہ سب کے سب اپنے تایا' چچا اور ان کی اولادوں کے ساتھ اپنے اس ذاتی اور وسیع بنگلے میں اکٹھے رہتے تھے۔ آپس میں بڑا اتفاق تھا۔ اتنی محبت تھی کہ اجنبی اور انجان لوگ انہیں سگے بہن بھائی سمجھتے تھے اور ان سب میں تایا ابا کی بھی اولاد میں دو لڑکے اور تین لڑکیاں شامل تھیں۔

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com
UrduPhoto.com

گھر کا ماحول نہایت پاکیزہ اور بڑی حد تک پرانی روایات پر قائم تھا۔ اس لیے بزرگوں اور لڑکوں کا تو سوال ہی پیدا نہ ہوتا تھا۔ یہ ساری شرارتیں تو بھابی کی بہنوں اور تایا کی بیٹیوں کی طرف سے کی گئی تھیں۔ جنہوں نے زبردستی ریحان سے شرعی رشتہ قائم کر لیا تھا اور اسی نظر اور نظریئے کے تحت یہ سلوک روا رکھا تھا۔ مگر دانستہ کوئی بے ہودگی اور بد اخلاقی نہیں برتی گئی۔ وہ تو واقعات ہی کچھ ایسی نوعیت اختیار کر گئے کہ ریحان کے خیال کے مطابق اس کے خلاف ایک سازش سی بن گئے۔ ورنہ صرف نعمانہ کو ستانے اور اس کی شرارتوں کا بدلہ ریحان سے لینے کی غرض سے یہ شرارتیں عمل میں آئیں اور کچھ غلط فہمی کی بنا پر اور کچھ ریحان کی اپنی حماقت آمیزی کے سبب ان شرارتوں نے اتنی سنجیدگی اختیار کر لی کہ ان کا نتیجہ بے چاری نعمانہ کو بڑی سخت سزا کی صورت میں بھگتنا پڑا......!

وہ چٹکی لینے کا مذاق گو بہت ناشائستہ تھا مگر تھا بے حد اتفاقی۔ دراصل چھیڑ چھاڑ کے دوران نعمانہ کی ایک (انوار) سہیلی رملہ نے دلہن کی رخصتی کا نقشہ کھینچ کر جب یہ کہا کہ۔

"وہ تمہارے البیلے تو سنا ہے بڑے شرمیلے ہیں۔ پتا نہیں سب کے سامنے تمہیں گود میں اٹھا کر چل بھی سکیں گے یا گھٹنوں میں منہ دے کر فرش پر بیٹھ جائیں گے۔"

رملہ کے لہجے میں شوخ سا طنز شامل تھا۔ سب نے خوب مذاق اڑایا۔ کیونکہ تقریباً "سب کو ہی معلوم تھا کہ نعمانہ کو اس رسم (یعنی دولہا دلہن کو گود میں لے کر چلے) سے سخت چڑ ہے۔ سب کے فقروں پر نعمانہ چمک کر بولی۔

"نہیں یہ تو [illegible] دیکھ لینا انکار کر دیا تو نعمانہ نام نہیں۔"

"گود میں چڑھنے سے؟" تایا ابا کی چھوٹی بیٹی ریحانہ نے شوخ سے لہجے میں سوال کیا۔ اس پر ایک قہقہہ پڑا اور نعمانہ جھینپ کر رہ گئی۔

"اچھا' دیکھوں گی' تم کس طرح اپنی بات پر قائم رہ سکو گی۔" رملہ نے ہنس کر کہا اور بات آئی گئی ہو گئی تھی۔

اور جب اتنی عورتوں اور بچوں کے ہجوم میں ریحان نے بھابی اور ان کی بہنوں وغیرہ کے اصرار پر نعمانہ کو گود میں اٹھایا تو کچھ کہنا تو کجا وہ اف تک نہ کر سکی۔ اس وقت تو اپنے گھر اور والدین وغیرہ سے بچھڑنے کا غم اسے نڈھال کیے ہوئے تھا اور سہیلی کے سامنے یہ دعوا کرتے ہوئے وہ یہ بھول گئی کہ وہ ایک مشرقی لڑکی ہے جسے اپنے رسم و رواج اور روایات کے سامنے اف تک کرنے کی اجازت نہیں۔ اپنے بزرگوں کے سامنے زبان ہلانے کی جرات نہیں ہوتی۔ ریحان نے اسے گود میں اٹھایا تو وہ ایک بے جان شے کی طرح اس کی گود میں لد گئی۔

اسی بات پر تو رملہ نے چٹکی لے کر اس کے کان میں کہا تھا۔

"رہ گئے نا سارے دعوے دھرے کے دھرے' کیسے فری ہیں۔ بے شرم۔" اب یہ محض اتفاق تھا کہ بے خیالی میں رملہ نے نعمانہ کے بجائے ریحان کو نشانہ بنایا اور اس کی پیٹھ پر چٹکی بھر لی......

ریحان کے خیال میں یہ ساری بیہودگیاں ناقابل برداشت تھیں' حد سے بڑھ گئیں اور ان سب کی جڑ نعمانہ ہی تھی اس زبردستی کی شادی پر وہ پہلے ہی دل گرفتہ تھا اور اپنے آپ کو بے حد مظلوم سمجھ رہا تھا اور یہ سوچ کر حجلہ عروسی میں آیا تھا کہ نعمانہ کو دل بھر کر ستائے گا۔ برا بھلا کہے گا اور صاف صاف بتا دے گا کہ یہ زبردستی کا سودا ہے۔ اس لیے کہ میں تمہیں بیوی کی حیثیت سے کبھی تسلیم نہ کروں گا۔ تمہارا دل چاہے تو رہا کرنا ورنہ جہاں چاہو چلی جانا۔

مگر حجلہ عروسی میں داخلے کے بعد بڑی بی والے مذاق نے اتنی گنجائش بھی نہ رکھی کہ وہ نعمانہ سے کچھ کہتا۔ حالات نے دوسرا ہی رخ موڑ دیا۔ اسے نعمانہ کی شکل بلکہ تصور سے بھی نفرت ہو گئی۔

وہ تمام کی تمام رات اس نے گھر سے باہر گزار دی۔

گھر میں تو ہر کمرہ مہمانوں سے بھرا پڑا تھا اور گھر میں رہتا تو بھابی اور بھیا کی نظروں میں آتا۔ وہ نہ جانے اس کی حرکت کا کیا مطلب لیتے اور زبردستی اسے پھر حجلہ عروسی میں دھکیل دیتے۔ اسی احتیاط کے لیے وہ سب کی نظروں سے دور رہا۔ اب وہ اتنا نا سمجھ یا بے حس بھی نہ تھا کہ سہاگ رات کی اہمیت کو بھی نہ جانتا ہو...... مگر کسی اچھوتے یا لذت آسا خیال کی جگہ تو نفرت اور گھن نے لے لی تھی۔ غم و غصے میں وہ اندھا ہو رہا تھا۔ صبح ہوتے ہی چوروں کی طرح وہ حجلہ عروسی میں داخل ہوا تو نعمانہ کو اسی جگہ اور اسی ترتیب سے بیٹھا دیکھ کر اس کا خون پھر جوش کھانے لگا۔ وہ روتے روتے شاید سو گئی تھی۔ ریحان نے نگاہ اٹھا کر اس کی طرف دیکھنا تک گوارا نہ کیا۔ بھابی کی وجہ سے اس پر کوئی سختی بھی تو نہ کر سکتا تھا۔ خیر اب تو میرے بس میں ہو گی۔ نمٹ لوں گا اچھی طرح" غسل کرتے وقت اس نے دل میں سوچا۔

......*

پھر تو اس کا روز کا معمول ہو گیا۔ رات گئے گھر سے نکلتا اور صبح ہوتے آجاتا۔ بھیا اور بھابی کے فرشتوں تک کو خبر نہ ہوئی۔ ایک نعمانہ تھی جو کسی غم نصیب بیوہ کی طرح رو رو کر رات گزار دیتی۔ لیکن تھی تو مشرقی لڑکی' وہ بھی بے حد غیور' خوددار اور حساس اپنے شوہر کے ہاتھوں جو اس کا محبوب بھی تھا اپنی اس درگت کو کسی پر جتانا بھی گوارا نہ ہوا۔ سب کے سامنے جس شخص کی محبت کا اعتراف کیا تھا۔ اس شخص کی انتہائی زیادتیوں کا رونا رونا اس کی اپنی توہین کے مترادف تھا۔ صبح اٹھتی تو اپنے اوپر زبردستی شگفتگی طاری کر کے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتی کہ وہ بہت خوش ہے۔ بڑی نہال ہے۔ دعوت ولیمہ کے موقع پر اس نے سب کو سختی سے منع کر دیا کہ ریحان کے ساتھ کوئی مذاق نہ کیا جائے۔ بھابی نے بھی اس کی تائید کی۔ حتیٰ کہ چالوں اور دعوتوں کے موقعوں پر اس کی یہی تاکید ہوتی کہ ریحان سے کوئی مذاق نہ کیا جائے اور اس کی اس قدر تنبیہہ اور روک ٹوک پر سب اسے اپنے شوخ فقروں کا نشانہ بناتے۔ برا بھلا بھی کہتے۔

"ہائے اللہ! زن مرید تو سنا تھا..... مگر شوہر مرید تم ہی کو دیکھا ہے۔" کوئی بہن کہتی۔

"اور کیا اب بے چاری کی شادی ہو گئی تو ہم پر کرفیو نافذ کیا جا رہا ہے۔ جیسے ہم ان کی اجازت سے ہی شرارتیں کرتے ہیں۔" کسی نے کہا۔

"وہ دن بھول گئیں جب ریحان بھائی کو ستانے میں سب سے آگے آگے ہوتی تھیں۔ اب کیسے ان سے ہمدردی پیدا ہو گئی۔" ریحانہ نے بھی فقرہ کسا۔ مگر سب کے جواب میں وہ مسکرا کر یہی کہتی۔

"بھئی' انہیں ایسے مذاق وذاق پسند نہیں۔" کوئی کہتا نعمانہ کو شادی کے بعد غرور ہو گیا ہے۔ سیدھے منہ کسی سے بات نہیں کرتی۔ کسی کا خیال تھا کہ وہ ریحان کے تصور میں ہر وقت کھوئی کھوئی سی رہتی ہے۔ کسی نے اندازہ لگایا کہ اپنے میاں کی خاموش اور سنجیدہ فطرت کی وجہ سے اس نے بھی خاموشی اور سنجیدگی کا جامہ پہن لیا ہے تاکہ میاں کے دل پر چڑھ جائے اور اظہر کا کہنا تھا۔

"چونکہ عورت شوہر کی حیثیت سے مرد سے پہلی ہی ملاقات میں مرعوب ہو جاتی ہے' اس لیے اغلب ہے کہ نعمانہ پر بھی کچھ ایسا ہی امپریشن پڑا ہوا ہے..... وہ بھی وقتی..... ورنہ نعمانہ جیسی چلبلی اور شوخ فطرت لڑکی حقیقی طور پر سنجیدگی کا جامہ پہن لے تو میں سمجھوں گا کہ آئندہ کئی صدیوں تک کسی شوخ فطرت انسان کا اس دنیا میں ورود ہو گا ہی نہیں۔"

اظہر کی اس نرالی منطق پر ایک زبردست قہقہہ پڑا۔ اتنی دل شکستہ ہونے کے باوجود خود نعمانہ کو بھی مسکرانا پڑا۔ مگر دوسرے ہی لمحے یہ مسکراہٹ ایک کرب میں بدل گئی۔ دنیا تو بس قیاس آرائیاں ہی کرتی رہتی ہے۔ جس کے دل پر گزرتی ہے' وہی خوب جانتا ہے۔ اس نے تاسف سے سوچا۔

ادھر دن کو تو دنیا دکھاوے کو ریحان سب سے خوب گھل مل کر باتیں کرتا۔ ہنستا بولتا اور یہ جتانے کی کوشش کرتا کہ اس رشتے سے وہ بہت خوش ہے۔ مگر

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com
UrduPhoto.com

رات کے تصور سے ہی اسے وحشت ہونے لگتی۔ کیونکہ روز روز ٹھکانے سے بے ٹھکانہ ہو کر اسے سخت تکلیف پہنچتی۔ چین و سکون تو بالکل غارت ہو کر رہ گیا تھا۔ جسمانی اذیت میں بھی مبتلا ہو گیا۔ مگر اپنے غصے میں اس نے کسی بات کی پروا نہ کی۔ نعمانہ کی خاموشی اور بے زبانی کو اس نے نعمانہ کی کوئی چال سمجھا۔ یہ تو اسے بھی بخوبی اندازہ تھا کہ نعمانہ نے بھابی کو اپنے اور اس کے تعلقات کے بارے میں کوئی بات نہیں بتائی ہے۔ ورنہ بھابی ایک ہنگامہ کھڑا کر دیتیں۔ ویسے بھی ہر وقت وہ ڈرا ڈرا سا رہتا اور اسی ڈر اور سہم میں بہت سی حماقت آمیز حرکتیں کر جاتا کہ بھیا اور بھابی بھی حیران رہ جاتے۔ اطہر وغیرہ قہقہے لگا رہے ہوتے تو وہ اپنی ہی سوچ میں گم رہتا۔ مگر سب ہنس کر خاموش ہو جاتے اور اسے اپنی خاموشی کا احساس ہوتا تو یکبارگی اس کی نظریں بھابی کی طرف اٹھتیں کیونکہ وہی بات بات پر ٹوکتی رہتی تھیں اور بھابی پر نظر پڑتے ہی وہ بھی قہقہے لگانے شروع کر دیتا سب کو ہی اس کے ہنسنے پر حیرت ہوتی، اور اپنی دانست میں وہ یہ جتانے کی کوشش کرتا کہ وہ ان کے قہقہوں میں شریک ہے اور ایک مرتبہ تو حد ہی کر دی۔ اپنے سسرال گیا تو وہاں باتوں ہی باتوں میں پامسٹری کا ٹاپک چھڑ گیا۔ طالب علمی کے زمانے میں ریحان کو بھی پامسٹری کا شوق تھا ۔۔۔ ادھر اظہر تھے کہ اپنی بہنوں کے ہاتھوں کی لکیریں دیکھ دیکھ کر خواہ مخواہ کا رعب گانٹھ رہے تھے۔

ریحان جو اپنے خیالوں میں مگن بیٹھا تھا، بھیا نے بھی اسے مخاطب کر کے کہا۔

"تمہیں بھی تو ہاتھ دیکھنا آتا ہے، کچھ تم بھی تو بتاؤ۔"

"ارے واہ! آپ تو چھپے رستم نکلے ریحان بھائی ۔۔۔ اتنی دیر سے [illegible] ہاتھ دیکھیے۔" بھابی کی رخشندہ نے کہا۔

"پہلے نعمانہ کا ہاتھ دکھاؤ ۔۔۔۔" ریحانہ نے نعمانہ پر ایک شوخ سی نظر ڈال کر کہا۔

"کیوں بھئی ان کے ہاتھ میں کیا خصوصیت ہے اور ان کا ہاتھ تو ہر وقت دیکھ سکتے ہیں۔" رخشندہ کو اپنا ہاتھ دکھانے کی پڑی تھی۔

"پھر بھی نعمانہ کا ہاتھ دیکھنا بہت ضروری ہے۔" اسلم بولے۔

"کیوں؟" نعمانہ نے بھی تیکھے پن سے پوچھا۔ کیونکہ اس کا نام سن کر ریحان کچھ بوکھلا سا گیا تھا۔

"میرا ہاتھ دیکھنے کی ایسی کیا پڑی ہے۔" ریحان کا کترانا نعمانہ کو بہت کھلا۔

"کیونکہ دنیا کی آبادکاری میں اضافے کی تفصیل معلوم کرنی ہے۔" اظہر نے بھابی کا ہاتھ دیکھتے دیکھتے اتنی برجستگی سے جواب دیا کہ سب زور زور سے ہنسنے لگے۔ نعمانہ کٹ کر رہ گئی اور ریحان کلس کر تاؤ انسنگی میں نعمانہ پر نظر پڑی تو اس کے گلگوں چہرے کو دیکھ کر ریحان پر وہی نفرت اور غصے کی آثار طاری ہونے لگے اور اتفاق سے اسی وقت بھابی کی والدہ آ گئیں۔ رخشندہ جو ریحان کے برابر والے صوفے پر بیٹھی تھی۔ جلدی سے کھڑی ہو گئی اور انہیں اپنی جگہ بٹھا دیا۔ ریحان کو اپنے خیالات میں خبر تک نہ ہوئی کہ بھابی کی والدہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گئی ہیں۔ سب نے ہی اس کی اس بے نیازی اور بد اخلاقی کو محسوس کیا۔ بھیا اسے حیرت سے دیکھتے رہ گئے اور جب بھیا سے اس کی نظریں ملیں تو وہ اسے گھور رہے تھے۔ وہ نہ جانے کیا سمجھا کہ جلدی سے اپنی ٹائی درست کر کے رخشندہ کے خیال میں بھابی کی والدہ کا ہاتھ پکڑ کر غور سے دیکھنے لگا اور پھر بولا۔

"آپ کی شادی چھ ماہ کے اندر اندر ہو جائے گی ۔۔۔ آپ کی ازدواجی زندگی بڑی شاندار ہو گی، خوب سفر کریں گی میرا مطلب ہے سیاحی۔ تعلیم اتنی زیادہ نہیں مگر اولاد ۔۔۔ اف ۔۔۔ اتنی زیادہ ۔۔۔ یعنی کہ تیرہ ۔۔۔۔ یہ کسی کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ دانستہ بھابی کی والدہ سے مذاق کر رہا ہے۔ مگر اس کی اس بے ادبی پر سب ہی کھسیا کر رہ گئے۔

خصوصاً "بھابی" جو غم و غصے سے کھا جانے والی نظروں سے اسے گھور رہی تھیں اور سب ایک دوسرے کو معنی خیز نظروں سے دیکھ رہے تھے۔ بے چاری نعمانہ کا تو شرمندگی کے مارے برا حال تھا۔ کیونکہ گھر کے ماحول میں بڑوں کے سامنے ایسی بے تکلفی کو بے ادبی اور گستاخی سے تعبیر کیا جاتا تھا۔ پھر اس نے کھڑا ہونا تو کجا، سلام تک نہیں کیا تھا۔ شاید ماحول کے ایک دم بدل جانے اور سب کی اس قدر خاموشی نے ہی اسے سب کی طرف متوجہ کیا اور بھابی کی کھا جانے والی نظروں نے اسے حقیقت کی دنیا میں لوٹ آنے پر مجبور کر دیا۔ اب جو پلٹ کر رخشندہ کے بجائے بھابی کی والدہ کو دیکھا تو سب کچھ سمجھ میں آ گیا ۔۔۔ گھبرا کر اسی وقت کھڑا ہو گیا اور جھک جھک کر انہیں سلام کرنے لگا۔

بھیا کا غصے اور ندامت کے مارے جو حال ہوا سو ہوا۔ بھابی کی بھی اپنے دیور کے بارے میں ساری شیخی دھری کی دھری رہ گئی۔ اس پر اظہر نے اشارے سے جب یہ کہا کہ دماغ کے اسکرو ڈھیلے ہیں تو نعمانہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی اور سب کے روکنے کے باوجود بھیا اور بھابی کو لے کر اپنے گھر چلی آئی۔ پھر تو بھیا نے وہ خبر لی کہ مدہوشی کا سارا نشہ ہرن ہو گیا۔

"بھلا اتنے معقول ہو کر تم ایسی حرکتیں کرتے ہو کہ لوگ تمہیں دماغی مریض سمجھتے ہیں۔ آخر کیا بات ہے۔ کیوں تمہارا دماغ ہر وقت پٹڑی سے اترا رہتا ہے ۔۔۔ کیا سوچتے رہتے ہو ۔۔۔ کسی کو زبان دیان تو نہیں دے آئے تھے؟ اف کس قدر شرمندہ کر دیا ہے تم نے آج ۔۔۔ میں کئی روز سے تم میں ایک خاص تغیر دیکھ رہا ہوں ۔۔۔ تم نہ جانے کس دھن میں رہتے ہو جو تمہیں دنیا و مافیہا کی خبر تک نہیں رہتی ۔۔۔ مگر اب تم اکیلے نہیں رہے بلکہ کسی دوسرے کی ذمہ داری بھی تمہارے کندھوں پر آ پڑی ہے۔ تم ایسی حرکتیں کرو گے تو یہ بے چاری کیا کرے گی؟" بھیا ایک دم ہی برس پڑے تھے۔ وہ تو بھابی کو اس کی مسکینی پر ترس آ گیا ورنہ پتا نہیں اور کیا کیا کہتے۔

"بس اب رہنے بھی دیجئے۔ ایسا کونسا گناہ کر دیا اس نے امی نے تو خیال بھی نہیں کیا بلکہ وہ تو اس کی سادگی پر ہنس رہی تھیں۔"

"وہ کیا سب ہی ہنس رہے تھے۔ مگر اس پر نہیں مجھ پر۔ کیونکہ یہ میرا ہی تو خون ہے ۔۔۔ ان لوگوں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ دماغ درست نہیں۔" دراصل بھیا کو اظہر کا استہزائی انداز میں اشارہ کرنا بہت برا لگا۔

"آپ کو معلوم ہی ہے کہ وہ لوگ کتنے شریر ہیں اور کہاں یہ سیدھا سادا معصوم سا لڑکا ۔۔۔ اور پھر سالے سالیاں تو اس سے بھی بڑی بڑی باتیں کہہ جاتے ہیں اور یہ رشتہ ہی ایسا ہوتا ہے۔" بھابی سمجھ گئیں کہ بھیا نے اظہر کی بات کا برا مانا ہے۔ مگر بھابی کا بزرگوں کی طرح لڑکا یا بچہ کہنا ان کی عمر کے لحاظ سے ریحان کو اتنا عجیب لگا کہ اسے ہنسی آ گئی۔ مجھ سے عمر میں دو تین سال چھوٹی ہی ہوں گی، مگر بات اس طرح کرتی ہیں جیسے سالوں بڑی ہوں ۔۔۔ نعمانہ اب تک سر جھکائے خاموش کھڑی تھی اور اس کے ہی عجیب و غریب رویے کو سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی مگر کچھ بھی اخذ نہ کر سکی۔ بھیا ۔۔۔ خفا خفا اپنے کمرے میں چلے گئے اور بھابی بھی مسکراتی ہوئی باہر نکل گئیں تو اس نے جلدی سے کپڑے بدلے اور چپکے سے باہر نکل گیا۔

*_*_*

آخر خدا خدا کر کے بیس روز بعد بھیا اور بھابی پشاور سدھارے تو ریحان نے سکھ کا سانس لیا اور بھابی کے جانے کے بعد ان ہی کے کمرے کو اپنے لیے منتخب کر لیا۔ اس گھر میں صرف تین ہی کمرے تھے۔ ایک ڈرائنگ ڈائننگ، دوسرا وہ جس کو حجلۂ عروسی بنایا گیا تھا اور جس میں اب تک بظاہر وہ نعمانہ کے ساتھ رہتا چلا آیا تھا اور تیسرا وہ جس میں بھیا اور بھابی رہائش پذیر تھے۔ وہی تیسرا کمرہ اس نے اپنے مصرف میں لے لیا۔

ایک دو دن وہ بالکل خاموش رہا۔ نعمانہ کے سامنے بھی اسی وقت پڑتا جب اس کے میکے والے آتے۔ پھر ایک دن اس نے نعمانہ سے صاف صاف کہہ دیا۔

"مجھے یہ آمد و رفت ذرا پسند نہیں۔ آئندہ نہ آپ وہاں جائیں گی اور نہ وہ لوگ یہاں آئیں گے ۔۔۔ اگر

آپ نے ان سے کوئی واسطہ رکھا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا اور خبردار کسی کو ہمارے تعلقات کی کان و کان خبر نہ ہو ورنہ میں کھڑے کھڑے ہر رشتہ ختم کردوں گا۔“

ان لوگوں نے اسے نیم پاگل تصور کیا تھا۔ یہ بات بھی ریحان نے دل میں رکھ لی۔

نعمانہ ایک الہڑ سی شوخ و شنگ لڑکی تھی۔ آنکھ کھولتے ہی اپنے والدین کا ہی نہیں بلکہ سارے خونی عزیزوں کا پیار اسے ملا تھا۔ اس کی کوئی بات کبھی رد نہ کی گئی تھی۔ کسی شرارت پر ٹوکا نہیں گیا تھا۔ لاڈلی ہونے کے سبب گھر کے کام بھی اس سے نہ لیے جاتے‘ وہ کوئی کام بھی کرتی تو چچی جان یعنی بھائی کی والدہ یا تائی اماں فوراً ہی اسے روک دیتیں۔

”نہیں بیٹی! یہ تمہارے بس کا کام نہیں۔ چلو اپنا پڑھو لکھو۔“

اف کس قدر چاہت تھی اس کی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اپنے والدین کی ہی نہیں بلکہ وہ اپنے چچا اور تایا کی بھی اکلوتی بیٹی ہو۔ شادی کے موقع پر تایا اور چچا نے جہیز کی شکل میں تحفے دیے تھے۔ اتنا جہیز ہو گیا تھا کہ اس مختصر سے گھر میں رکھنے کی گنجائش بھی نہیں تھی اور جب سے اسے ریحان سے منسوب کیا گیا تھا تو وہ صرف ریحان کے حسین تصور سے اپنے خوابوں کی دنیا سجاتی رہی۔ اپنے سیدھے سادے اور بھولے بھالے محبوب کے اپنی محبت میں غرق ہو جانے کے خواب دیکھتی رہی اس نے تو کبھی بھول کر بھی ازدواجی زندگی کی سنجیدگی اور پیچیدگیوں کے بارے میں نہ سوچا تھا۔ اپنی چچا زاد بہنوں اور بھائی کی ازدواجی کامیاب ترین زندگی نظروں کے سامنے تھی۔

اب جو یہ نئی افتاد پڑی تو وہ گم صم ہو کر رہ گئی۔ ظاہر ہے ایک انجان اور اجنبی زندگی میں قدم رکھا تھا اور ایک ایسے [illegible] تھا [illegible] تھا بلکہ بے حس اور بدذوق تھا۔ اس کا دھمکی آمیز حکم سن کر اس نے ایک لفظ بھی احتجاج کے طور پر نہ کہا۔

بھائی اس کو گھریلو ذمہ داریوں اور ازدواجی زندگی سے متعلق تمام اونچ نیچ سمجھا کر گئی تھیں۔ ان سے جدا ہوتے وقت وہ کس قدر تڑپ روئی تھی۔ سب نے اس غیر معمولی بات کو خاص طور پر محسوس کیا تھا۔ خود ریحان نے بھی۔

ازدواجی زندگی تو جیسی تلخ ثابت ہوئی تھی۔ اس کا ہی دل جانتا تھا۔ مگر گھریلو ذمہ داریاں اس نے فوری طور پر سنبھال لیں۔ کیسی نئی دلہن اور کیسے مان کون معمولی سے سادہ کپڑوں میں گھر کے سارے کام نمٹایا کرتی۔ البتہ کھانا پکانے پر ایک ملازم ضرور مامور تھا۔ اپنے اکھڑ مزاج شوہر کے متعلق وہ کچھ بھی تو نہ جان سکی کہ وہ کیا پسند کرتا ہے اور کیا ناپسند۔ مزاج میں طنطنہ اور خودداری بہت تھی۔ اس لیے ریحان کے سامنے اس نے کبھی اپنی بے بسی یا مظلومیت کا اظہار نہیں کیا۔ لیکن اندر ہی اندر جو بے قراری اور خلش تھی اس نے اس کا نازک سا دل چھید کر رکھ دیا۔ ایک غم تھا ایک صدمہ تھا جو جان کا روگ بن کر اس کے ساتھ چمٹ گیا تھا۔ کوئی چیز من کو نہ بھاتی تھی۔ شوہر ہونے سے زیادہ ریحان اس کا محبوب تھا۔ یک طرفہ جذبہ اگر تشنہ رہ جائے یا تکمیل نہ پائے تو سرد پڑنے کے بجائے اس میں اور شدت آجاتی ہے۔ جس شدت سے ریحان اس سے نفرت کر رہا تھا‘ اسی شدت سے وہ اسے چاہے چلی جا رہی تھی۔ شادی کو ڈیڑھ ماہ کا عرصہ ہو گیا تھا‘ اور اس عرصے میں نزدیک ہونے کے بجائے ریحان اس سے دور ہوتا چلا جا رہا تھا..... پتا نہیں سارا دن کہاں گزارتا اور شامیں کہاں..... رات گئے واپس آتا تو اتنا تھکا ہوا ہوتا کہ بے سدھ ہو کر پڑ جاتا۔ پھر اس کا کمرہ الگ تھا اور نعمانہ کا الگ۔ ہر تعلق ٹوٹ چکا تھا۔ ان حالات میں نعمانہ بھلا کیونکر اس سے کچھ کہتی یا پوچھتی۔ البتہ چھپ چھپ کر اسے دیکھتی وہ سو جاتا تو اس کے کمرے کی کھڑکی سے جھانک کر اسے دیکھتی رہتی نہ جانے کیسا جنون تھا یہ۔

ایک شہر میں رہ کر میکے والوں کو گھر آنے کی ممانعت کرنا نعمانہ کے لیے مشکل ترین بات تھی۔ کیسے اور کس منہ سے ان سے کہہ دیتی کہ میرے یہاں نہ آیا کرو۔ پھر وہی لوگ جو اس کے اپنے تھے اور وہ نہ

صرف خود آتے بلکہ اسے ساتھ لے جانے پر اس قدر زور دیتے کہ اسے جان چھڑانا مشکل ہو جاتی۔ خصوصاً اس وقت جب ریحان بھی ان کے زور دینے پر ان کی تائید میں کہتا۔

”جائیے نا! ایک دو دن کو ہو آئیے۔ میری تکلیف کا خیال نہ کیجیے‘ میں بھی وہاں آیا جایا کروں گا۔“ تو وہ بڑی بے بسی سے اس کی طرف دیکھتی اور ریحان کے چہرے پر ایک عجیب سا احساس دلاتی مسکراہٹ دیکھ کر رہ جاتی۔

”نہیں بھائی! آج تو میں کسی طرح بھی آپ کے ساتھ نہیں جا سکتی ایسا ہی ہے تو کل آجاؤں گی..... آج تو ایک بڑا ضروری کام ہے۔“

اس کے لہجے میں سخت بیزاری اور جھلاہٹ ہوتی۔ وہ لوگ خاموش ہو جاتے اور دوسرے دن آنے کا وعدہ لے کر چلے جاتے‘ مگر وہ دوسرا دن کبھی نہ آتا۔

*_*_*

ایک دن اظہر اور اسلم پھر اسے لینے آ گئے۔ اس نے کتنا انکار بھی کیا مگر ان کے سامنے اس کی ایک نہ چلی۔ کیونکہ ریحان بلا تامل ان کے ساتھ جانے کو تیار ہو گیا اور اس پر زور دے رہا تھا اور وہ بے چاری سراسیمگی کے عالم میں کبھی ریحان کو دیکھتی اور کبھی اس کی تنبیہہ کو یاد کرتی۔ ناچار اسے ان لوگوں کے ساتھ جانا ہی پڑا۔ وہاں پہنچی تو اس کی والدہ‘ چچیاں اور بہنیں اس کی بے مروتی کا شکوہ کرنے لگیں اس کا دل چاہا کہ ماں کے گلے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر روئے‘ مگر دل پر جبر کر کے اسے اپنے اشک پینے پڑے اور وہاں سے واپسی پر ریحان بولا۔

”آج تو میں نے آپ کی نافرمانی کو برداشت کر لیا ہے۔ مگر آئندہ ایسا نہ ہو۔“ اس کے لہجے میں دھمکی تھی۔ نعمانہ حیران و پریشان سی اس کی طرف دیکھتی رہی۔ یہ بھی نہ کہا کہ آپ خود ہی تو اصرار کر کے لے گئے تھے۔ میں تو آخری وقت تک جانے سے انکار کرتی رہی۔ مگر حسب عادت بغیر جواب دیے گاڑی سے اتر کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ انسان ہے یا پتھر!

اس نے اشکوں کی دھندلاہٹ میں سوچا۔ بہرحال جیسا بھی ہے‘ مجھے اپنی محبت کا بھرم قائم رکھنا پڑے گا۔ چاہے یہ شخص ظلم کی انتہا توڑ دے..... لیکن اف تک نہ کروں گی۔ اپنی محبت کی اس شکست کو کسی پر ظاہر کرنا سراسر میری تحقیر ہے۔ دوسرے نہ سمجھیں لیکن میں خود کو اپنی نگاہوں سے گرا ہوا سمجھوں گی..... میں نے تو کبھی کسی بات میں شکست نہیں کھائی نہ کبھی کوئی ایسی بات کہی نہ کی جو میری کمزوری اور گراوٹ کا سبب بنتی اور اس شخص کے متعلق تو میں نے کیا کیا ڈینگیں ماری تھیں۔ اب کیسے خود اپنے معاملے میں ہار مان لوں..... نہیں نہیں یہ میرے احساسات میری انا کی موت ہو گی۔ میں خود ہی اپنے اوپر پڑی اس افتاد کو خاموشی سے سہہ لوں گی۔

ریحان اپنے احساس برتری اور انتقام لینے کی دھن میں یہ دیکھنا بھی بھول گیا کہ نعمانہ کس قدر مضبوط قوت ارادی کی مالک ہے جو کتنے صبر و ضبط سے اس کی زیادتیوں کو سہہ رہی ہے۔ کاش یہی سوچ لیتا کہ اس کے اور نعمانہ کے درمیان تعلق ہی کیا ہے یا نعمانہ کو کیا غرض پڑی ہے جو اس کے ظلم و ستم سہے۔ نعمانہ نے کبھی اپنے یک طرفہ جذبے کا اظہار بھی تو اس پر نہ کیا تھا..... اپنے شوہرانہ حقوق سے وہ بڑا غلط اور جارحانہ مصرف لے رہا تھا۔

میکے والوں کی آئے دن کی آمد و رفت کو نعمانہ نے اس طرح کم کرایا کہ جب وہ لوگ ریحان کی غیر موجودگی میں آتے تو وہ چھپ جاتی اور ملازم سے کہلوا دیتی کہ وہ گھر پر موجود نہیں ہے اور جو بھی آتا یہ سن کر الٹے پاؤں واپس چلا جاتا۔

ایک دن ریحان کی موجودگی میں وہ لوگ آئے تو اظہر نے اس بات پر اسے ٹوکا۔

”کیا تم دن کو بھی میاں کا پیچھا نہیں چھوڑتیں کہ جب آؤ گھر پر ملتی ہی نہیں ہو۔“ اظہر کی بات سن کر ریحان نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔ وہ پٹا کر رہ گئی۔ اب کیسے ٹوک دیا کہ

”وہ ذرا شاپنگ وغیرہ کے لیے چلی جاتی ہوں۔“

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com
UrduPhoto.com

اس نے جلدی سے بہانہ گھڑا اور اس کے گھبراہٹ سے پر لہجے کو ریحان نے خاص طور پر محسوس کیا۔

”[illegible] تم تو کہتی تھیں کہ گھر سے نکلنے کا وقت ہی نہیں ملتا۔ جب شاپنگ کو جاتی ہو تو اتنا نہیں ہوتا کہ وہاں بھی جھانکتی چلی آؤں۔“ اظہر نے شکوہ کیا۔

”وہ تو میں گھر کا ضروری سامان لینے جاتی ہوں۔ ملازم نیا ہے نا۔“ اس نے جلدی سے جواب دیا اور وہ لوگ چلے گئے تو ریحان نے بڑے سخت لہجے میں کہا۔

”اظہر بھائی یہ کیا کہہ رہے تھے۔۔۔ آپ کہاں جاتی ہیں سچ سچ بتائیے۔“ تو اس نے گلوگیر لہجے میں بڑی بے چارگی سے جواب دیا۔

”میں بھلا کہاں جا سکتی ہوں۔ آپ نے ان لوگوں کے آنے کی سخت ممانعت کر دی تھی۔ اس لیے ملازم سے یہ کہلوا دیتی ہوں کہ گھر پر نہیں ہوں۔“ ریحان کو اس کی بات کا یقین تو نہ آیا مگر اس نے مزید کچھ نہ پوچھا۔ بلکہ دوسرے دن کسی ترکیب سے ملازم سے دریافت کر لیا۔ ملازم نے جو اصل بات تھی وہ بتا دی تب جا کر ریحان کو اطمینان ہوا۔

ایک دن ریحان کی غیر موجودگی میں اظہر نعمانہ کو لینے آ گئے ملازم اس وقت سودا لینے گیا ہوا تھا۔ اس لیے نعمانہ کو ہی ان سے ملنا پڑا۔ انہوں نے اسے ساتھ لے جانے کی کتنی ہی کوشش کی مگر وہ راضی نہ ہوئی۔

”ریحان کے ساتھ آؤں گی۔ ان کے بغیر کہیں جانے کو دل ہی نہیں چاہتا۔“ اس کا عذر تھا۔ اظہر اس کی بے رخی اور بے مروتی پر دل ہی دل میں بہت آزردہ ہوئے اور سیدھے ریحان کے آفس پہنچے۔ ان سے یہ کہنے کہ آج سے پھر کبھی چائے ہمارے ساتھ بھیجے گا پھر نعمانہ کے متعلق بتانے لگے۔

”آپ [illegible] کو بھی بھلا دیا ہے۔ میں نے کتنا چاہا کہ وہ میرے ساتھ چلے مگر اس نے سختی سے انکار کر دیا۔“ دراصل اظہر کا خیال تھا کہ ریحان نے اسے تنہا کہیں جانے کی ممانعت کر رکھی ہے۔ مگر ریحان نے یہ کہہ کر اپنی پوزیشن صاف کر لی۔ ”میں نے تو ان کو کبھی نہیں روکا، وہ خود ہی آپ لوگوں سے ملنا پسند نہیں کرتیں تو میں اس سلسلے میں کیا کر سکتا ہوں۔“ اظہر نے جب یہ سنا تو خاموش رہ گئے۔ مگر یہ بات معمولی تو نہ تھی کہ چرچا نہ ہوتا۔

یہ خبر بھابی تک پہنچی اور بھابی نے ریحان کو بڑی تاکید سے لکھا کہ چاہے نعمانہ پسند کرے یا نہ کرے، تم زبردستی اسے چچی جان کے پاس لے جایا کرو۔۔۔ وہ ان کی اکلوتی بیٹی ہے اور وہ اس کی صورت کو ترستی رہتی ہیں۔ تمہارے یہاں آنا وہ مناسب نہیں سمجھتیں۔ وہ نعمانہ ہی کی نہیں تمہاری بھی ماں ہیں اور تمہیں سب سے زیادہ ان کے احساسات کا خیال رکھنا چاہیے۔ دیکھا نہیں وہ کس قدر تمہیں چاہتی ہیں۔ اصولاً لڑکی کے بجائے داماد کا یہ فرض ہوتا ہے کہ سسرال والوں کی ہر بات کا خیال رکھے۔ اپنے بھیا ہی کو دیکھ لو، اظہر وغیرہ سے زیادہ سب کا خیال رکھتے ہیں۔ کم از کم اس معاملے میں تو ہمیں شرمندہ نہ کرو۔ وغیرہ وغیرہ۔“

”بھابی کی یہ بھی خوب عادت ہے کہ بس اپنی ہی کہے چلی جاتی ہیں۔۔۔ جیسے دوسرے کی تو کوئی بات ہی نہ ہو۔“ بھابی کا خط پڑھ کر اور اپنی ساس کی بے اندازہ چاہت دیکھ کر اس نے کچھ قائل ہو کر سوچا

بھابی نے نعمانہ کو ہزار نصیحتوں کا خط لکھا تھا۔ جس میں یہ بھی فقرہ درج تھا کہ میاں کی محبت میں ایسے دیوانے نہیں ہوتے کہ دنیا ہی تیاگ بیٹھیں خونی رشتوں کو بھی بھول جائیں اور کسی کا نہیں تو کم از کم تمہیں چچی جان کی ممتا کا تو خیال رکھنا چاہیے۔ وہ بے چاری تمہارے لیے کیسے تڑپتی رہتی ہیں۔ ایک [illegible] تم یوں نگاہیں پھیر لو گی مجھے تو گمان تک نہ تھا۔“

بھابی کا خط پڑھ کر ضبط کے باوجود اس کی آنکھیں چھلک اٹھیں۔ خط ریحان کو دے کر اپنے کمرے میں جا کر وہ بڑی دیر تک روتی رہی۔ ریحان نے اس کا خط

پڑھ لیا تھا مگر جب وہ باہر نکلی تو اس کی سوجی سوجی آنکھیں دیکھ کر بولا۔

”مجھے یہ رونا دھونا بالکل پسند نہیں۔ خواہ مخواہ کی نحوست پھیلانی۔ اگر آپ اپنے آپ کو اس قدر مظلوم سمجھتی ہیں تو جا کر میکہ بسائیے۔ مجھے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“ بات بات میں علیحدگی اور گھر سے نکال دینے کی دھمکی۔ نعمانہ کو بھی غصہ آ گیا تھا۔

”میں نے تو دل سے ہر تصور خود ہی نوچ پھینکا تھا۔ خود آپ نے ہی اظہر بھائی سے غلط بات کہہ کر باجی کو یہ خط لکھنے پر مجبور کیا ہے۔“ ریحان بھلا اس کی بات کا جواب کیوں کر دیتا۔ لیکن اپنی بات گرانی بھی نہ چاہتا تھا۔ بگڑ کر بولا۔

”اس لیے تو میں نے زور زور کی کل کل سے تنگ آ کر اپنا تبادلہ کرنے کو کہا ہے۔“

”کاش! ایسا ہی ہو جائے۔“ نعمانہ نے جواب دیا اور اپنے گھر کے کاموں میں لگ گئی۔

مگر وہاں تو جس انداز میں اظہر نے اس کی بے رخی اور ریحان کی لاتعلقی کا نقشہ کھینچا تھا۔ خط لکھ کر بھی بھابی کو کل نہ پڑی اور ایک دن بھیا کو لے کر آ موجود ہوئیں۔ اور ان دونوں کے ساتھ رہ کر انہوں نے ان دونوں کے تعلقات کے متعلق بہت سے اندازے لگا لیے گو بھابی کے آنے کے بعد ریحان نے نعمانہ کے کمرے میں ہی سونا شروع کر دیا تھا اور اپنے رویے میں بھی تبدیلی کر لی تھی وہی ہنسنا بولنا نعمانہ سے اچھی طرح پیش آنا اور اسے ساتھ لیے لیے پھرنا۔ پھر بھی تاڑنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں کے مصداق دونوں کے رویے میں ایک خاص قسم کی اجنبیت اور احتیاط دیکھ کر بھابی کو سب کچھ سمجھ میں آ گیا۔ آخر وہ بھی شادی شدہ تھیں اور ازدواجی زندگی کا خاصا تجربہ تھا۔ جس دن بھابی بھیا کے ساتھ اپنے میکے چلی جاتیں تو وہ اپنے کمرے میں سوتا۔ بھابی کو کچھ شک گزرا تھا شاید ایک دن جان کر سیکنڈ شو کے بعد اس کے یہاں آ گئیں۔ وہ اپنے کمرے میں سو رہا تھا۔ نعمانہ اپنے کمرے میں تھی۔ بھابی کے شکوک یقین میں بدلنے لگے۔ نعمانہ سے بہت پوچھا کہ آخر کیا بات ہے یہ اس کمرے میں کیوں سو رہا ہے؟ اس کا سامان بھی دوسرے کمرے میں رکھا ہے اور تم اس قدر بجھ کیوں گئی ہو جو ہنسنا اور مسکرانا بھی بھول گئیں۔ مگر وہ یہی کہتی رہی کہ ”نہیں نہیں باجی! ایسی تو کوئی بات ہی نہیں۔ کمرہ چھوٹا ہے اس لیے وہ اپنا فالتو سامان دوسرے کمرے میں رکھتے ہیں اور آج تو ان کے چند دوست آئے تھے۔ میری تکلیف کے خیال سے وہ انہیں اس کمرے میں لے گئے۔ تاش پارٹی میں گیارہ بج گئے اور وہ لوگ گئے تو ریحان وہیں پڑ کر سو گئے۔ میں نے انہیں جگانا بھی مناسب نہ سمجھا کہ کہیں ان کے آرام میں خلل نہ پڑے۔ بے چارے سارا دن تو سخت مصروف رہتے ہیں۔“ اور جب بھابی نے میکے نہ جانے کی وجہ پوچھی تو وہ بولی۔

”میں جاتی تو رہتی ہوں، البتہ روز روز نہیں جا سکتی۔ آپ کو تو معلوم ہے کہ نیا نیا گھر ہے۔ اتنا قیمتی سامان ایک نئے ملازم پر چھوڑ کر کیسے جا سکتی ہوں۔ ریحان آفس سے اتنی دیر میں آتے ہیں کہ کہیں جانے کی ہمت ہی نہیں ہوتی اور مجھے ان کو تکلیف دینی اچھی نہیں لگتی۔“

وہ اپنی بات بہت جم کر کہہ رہی تھی۔ مگر چہرے کے تاثرات چغلی کھا رہے تھے۔ دل میں اٹھتی شدید ٹیسوں پر قابو پانا مشکل جو ہو رہا تھا۔ چاہتی تو بھابی کے سامنے سب کچھ اگل سکتی تھی۔ مگر بھابی سے اس معاملے میں کچھ کہنا آسان نہ تھا۔ رازداری کی شرط لگانے اور قسمیں کھانے کے باوجود بھابی اگر اور کسی سے کچھ نہ کہتیں تو اس سے ضرور کہتیں اور جس طرح کہتیں، جس رنگ میں کہتیں۔۔۔ اس کے اور ریحان کے درمیان ایسی خلیج حائل ہو جاتی کہ جس کا پاٹنا ممکن نہ ہوتا اور بھابی کے جانے کے بعد وہ اس سے گن گن کر بدلے لیتا اور پھر اس نے تنبیہ بھی کی تھی کہ خبردار جو ہمارے تعلقات کا کسی کو کان دکان علم ہونے پائے۔ نعمانہ نے دل کی بات دل ہی میں محفوظ رکھی۔

بھابھی کی موجودگی میں ریحان کی مجال نہیں تھی کہ نعمانہ کو میکے جانے سے روکتا۔ بلکہ زبردستی اس کو اس کے میکے لے جاتا مگر بھابی کے جانے کے بعد نعمانہ نے خود ہی میکے جانا چھوڑ دیا۔۔۔ ریحان بھابی کی نصیحتیں سن کر اب ذرا سنبھل گیا تھا اور چاہتا تھا کہ نعمانہ میکے جائے لیکن خود اپنے منہ سے نعمانہ سے کچھ کہنا اپنی شان کے خلاف سمجھتا تھا۔ البتہ شام کو تیار ہو کر وہ کسی نہ کسی بہانے اسے اس کے میکے والوں سے ملوا لاتا۔ اظہر کی شگفتہ اور فراخ دل شخصیت اسے بہت پسند آئی تھی اور ان سے وہ خاصا بے تکلف ہو گیا تھا۔ وہ بڑے خوبرو اور خلیق انسان تھے۔ شاید ان کی کشش بھی اسے وہاں بار بار جانے پر اکساتی۔۔۔ اپنے میکے جا کر وہ زیادہ وقت اس کی نظروں سے دور ہی رہتی۔

*_*_*

چند روز ہی گزرے تھے کہ ریحان کے ٹرانسفر کے آرڈرز آ گئے۔ اسے پنڈی بھیجا جا رہا تھا۔ میکے والوں سے ایک نامعلوم عرصے تک کی جدائی نعمانہ کو شاق گزر رہی تھی۔ مگر اس خیال سے وہ خوش بھی تھی کہ دوسرے شہر جا کر کم از کم اس کے معاملات پر تو پردہ پڑا رہے گا۔ ایک شہر میں رہ کر اپنے جان چھڑکنے والے عزیزوں سے کہاں تک وہ اپنا معاملہ چھپا سکتی تھی۔

ریحان کو ترقی دے کر بھیجا جا رہا تھا۔ پنڈی پہنچ کر محکمے کی طرف سے ایک شاندار بنگلہ بھی مل گیا۔ جسے ریحان نے اپنی مرضی سے اور بڑی لگن سے سجایا۔ ڈیکوریشن پیس، فرنیچر، قالین وغیرہ سب نعمانہ کے جہیز کا تھا جسے ریحان نے اپنے استعمال میں لیا تھا ایک سرے پر اپنا کمرہ رکھا اور دوسرے سرے پر نعمانہ کا۔ وہ تو اس کے ہاتھ کی کٹھ پتلی بنی تھی۔ خاموش تماشائی کی طرح سب کچھ دیکھتی رہی۔ ریحان نے اس کی رائے تک لینا گوارا نہ کی۔۔۔ دل پر تیر سے چل گئے۔ اپنی اس ناقدری اور بے وقعتی کے خیال سے ''آخر وہ بھی انسان تھی۔ کبھی کبھی اس کا دل چاہتا تھا کہ ریحان کو پکڑ کر اس سے پوچھے۔ ''بتاؤ آخر میرا قصور کیا ہے؟

تم ایسی بیگانگی سے مجھ سے کیوں پیش آتے ہو۔۔۔ یا پھر اس سے چیخ چیخ کر کہے کہ میرے دل میں جھانک دیکھو کہ تمہاری زیادتیوں نے اسے کیسا سوختہ کر کے رکھ دیا ہے۔ اس دل میں تمہاری چاہت بدستور موجود ہے۔ میں آج بھی تمہیں دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہوں دیوانگی کی حد تک تم سے محبت کرتی ہوں۔ تب ہی تو اتنی خاموشی سے تمہارا ساتھ نبھا رہی ہوں۔'' مگر کچھ کہنا تو کجا ریحان کا سامنا کرنے کی بھی ہمت نہ پڑتی۔ وہ جو پردیس میں لا کر اس کے وجود کو ہی فراموش کر بیٹھا تھا۔

بھابھی چلتے چلتے یہ تاکید بھی کر گئی تھیں کہ ''دیکھو نعمانہ! یوں خاموش اور اداس نہ رہا کرو اور خدا کے لیے یہ سادگی چھوڑ دو۔ ابھی تمہارے بیاہ کو دن ہی کتنے گزرے ہیں۔ عورت کا سنگھار بھی مرد کو اپنی طرف متوجہ کرتا ہے۔ تم چاہے کچھ بھی کہو مجھے معلوم ہے کہ ریحان تم سے بے رخی برتتا ہے۔ میں نے اسے اچھی طرح سمجھا تو دیا ہے مگر تم بھی ذرا ڈھنگ سے رہا کرو۔'' مگر اس کی نوخیز کلی تو کھلنے سے پہلے ہی مرجھا گئی تھی۔ پھر بھابی کی نصیحت بھلا کیا اثر کرتی۔

لیکن پنڈی آ کر شاید بھابھی کی نصیحت کے تحت ہی اس نے اپنے لباس اور زیبائش کا خیال رکھنا شروع کر دیا۔ اس میں ریحان کی توجہ اپنی طرف مبذول کرانے کا خیال بھی شامل تھا۔ مگر ریحان پر اس کے بناؤ سنگھار کا کوئی خاطر خواہ اثر نہیں ہوا۔ پنڈی آ کر تو اس کے شب و روز اتنے مصروف گزرنے لگے کہ چار بجے آفس سے ڈیوٹی بھگتا کر آتا تو چائے پی کر بہت اہتمام سے تیار ہوتا اور گاڑی لے کر چلا جاتا۔ پھر رات گئے ہی اس کی واپسی ہوتی۔ بہت کم اور محض اتفاقاً نعمانہ سے سامنا ہو جاتا ورنہ وہ اپنے کمرے میں ہوتی اور یہ اپنے کمرے میں۔ مایوس اور بددل سی ہو کر نعمانہ اپنے کپڑے اور زیور اتار کر رکھ دیتی۔ اپنی ہر چیز اسے بے وقعت سی نظر آتی۔ پھر وہ تہیہ کر لیتی کہ اب کبھی یہ زیور اور کپڑے نہیں پہنے گی۔ مگر دوسرے دن نامعلوم سی امید پر ریحان کے آنے سے پہلے پھر بڑے اہتمام

سے تیار ہو جاتی۔

سارا دن گھر کی جھاڑ پونچھ، سجاوٹ، بناوٹ اور باغبانی میں گزر جاتا۔۔۔ صرف وقت گزاری کے لیے چمن کی آرائش وہ بڑی دلچسپی سے کرتی تھی۔ مگر بعد میں یہ دلچسپی ایک شوق سا بن گئی۔ اس طرح اس کو اپنے احساس تنہائی سے بھی یک گونہ نجات ملتی تھی۔ کہاں ایک بھرے پرے گھر میں رہنے کی عادت اور کہاں بالکل تن تنہا۔ وہ بھی اپنے غموں میں چور چور۔ یہ کام کر کے کچھ تو دل بہلتا تھا۔

اس روز چونکہ ملازم کی طبیعت خراب تھی۔ اس لیے ملازم کے بیشتر کام نعمانہ کو ہی کرنے پڑے۔ کھانے پکانے کا کچھ ایسا تجربہ نہ تھا اس لیے اتنی دیر ہو گئی کہ باغ میں ننھے پودوں کو دیکھنے کا موقع نہ ملا۔ ریحان کے آنے کا وقت قریب آ رہا تھا۔ جلدی جلدی تیار ہو کر وہ باغ میں پہنچی اور گلدانوں میں سجانے کے لیے پھول جمع کرنے لگی۔ یہ پھول بھی اس نے مالی کے ذریعے مختلف جگہوں سے منگائے تھے اور اتنی محنت سے پروان چڑھائے تھے کہ چمن منہ سے بول رہا تھا۔ پھول جمع کرتے کرتے کیاریوں میں پڑے کوڑے پر نظر پڑی تو وہ کیاریاں صاف کرنے بیٹھ گئی۔ ہلکے نفیس کام کی پیازی ساڑھی باندھے اور نازک سا طلائی زیور پہنے وہ کیاریاں صاف کر رہی تھی۔ چمن کی فضا اس وقت بڑی سہانی تھی۔ سہ پہر ڈھل چکی تھی اور مغرب کی سمت شفق دھوپ زردی مائل ہو کر سارے ماحول پر ایک طلائی سا ملمع بکھیر رہی تھی۔ چہار طرف نفاست اور قرینے سے بنی کیاریوں میں گل بوش پودے لطیف ہواؤں کے دوش پر ہلکورے لے رہے تھے اور ان کے درمیان گھری نعمانہ فلک کی بلندیوں سے اتری ہوئی کوئی ملکوتی مخلوق لگ رہی تھی اور اس مجسمہ حسن کو کسی کی پرشوق اور متجسس نگاہیں نہ جانے کب سے تک رہی تھیں۔

''اونہہ۔۔۔'' کسی کے کھنکارنے کی آواز قریب ہی سے آئی۔ اپنے خیالات میں گم نعمانہ ڈر کر سیدھی ہوئی تو ہاتھوں میں تھمی پھولوں کی ٹوکری گھاس کے سبز

فرش پر جا گری۔۔۔ مگر اس کی پروا کیے بغیر اس نے پلٹ کر دیکھا۔

''ہاہا آپ تو ڈر گئیں۔ یقین جانیے میرا مقصد آپ کو ڈرانا تو نہ تھا۔ بہرحال سوری۔'' چوڑے چکلے تن و توش پر فوجی وردی سجائے ایک دراز قامت اور بے حد پرکشش نوجوان نے اس کے ڈر کر دیکھنے پر اپنی صفائی میں کہا۔ آخری فقرہ گو اس نے اپنے شوخ چہرے پر سنجیدگی طاری کرنے کی کوشش میں کہا تھا مگر اس کوشش میں نوجوان کے چہرے پر حماقت کے آثار طاری ہو گئے جنہیں دیکھ کر نعمانہ کو بے اختیار ہنسی آ گئی۔ لیکن اس نے سختی سے اپنی ہنسی کو دبا لیا۔

وہ بڑی بے باک نظروں سے اسے تکے جا رہا تھا۔ اس کی نظروں کی حدت سے گھبرا کر وہ گھاس پر گرے ہوئے پھول چننے لگی۔

''اجی محترمہ! میں اس بنگلے کی رکھوالی پر مامور نہیں کیا گیا بلکہ خاکسار کو آفاق انجم کہتے ہیں۔ قوم کی نظروں میں یہ خاکسار ملک و ملت کا پاسبان اور سرحدوں کا محافظ ہے۔ حال ہی میں میجر کے عہدے سے نوازا گیا ہے اور خوش قسمتی سے ریحان صاحب کا جگری دوست ہے۔ میرے خیال میں میرا اتنا ہی تعارف کافی ہو گا۔ اب آپ اپنے بارے میں روشناس کرائیے۔ آپ کی تعریف؟''

وہ ایک ہی سانس میں بلاتوقف اور بلا تکلف سب کہہ گیا۔ جاذب چہرے پر بے حد چونچالی لیے اور نگاہوں میں پسندیدگی کا جذبہ لیے۔ اس کے ''روشناس کرائیے'' کہنے پر نعمانہ کے چہرے پر پھر مسکراہٹ آ گئی جسے اس نے پھول چننے میں ضم کر لیا۔ اتنے دن بعد اپنی ہی جیسی فطرت کے انسان سے واسطہ پڑا تھا جو اس کے لیے یکسر اجنبی تو تھا مگر اس کے بات کرنے کا انداز اور پھر یہ انکشاف کہ وہ ریحان کا جگری دوست ہے۔ اپنائیت کی بھرپور کشش لیے تھا۔ نعمانہ کی رگ ظرافت پھڑک اٹھی۔ پھول ٹوکری میں رکھ کر سیدھی ہو کر آہستہ سے بولی۔

''جی میرا پیو اتھوں مالی دا کام کردا اے۔ یہ جھوڑا!

نواں صاب ہے ناتسی جس نو پچھدے او پتا نہیں کیا اے۔"

جواب چہرہ جھکا کر اور اپنی مسکراہٹوں کو چھپا کر دیا تھا مگر لہجہ چغلی کھا رہا تھا۔ وہ بھی حرفوں کا بنا ہوا تھا۔ کچھ کچھ ناز کر بولا۔

"کمال ہے۔ تب تو ریحان کی قسمت پر رشک کرنا چاہیے جب اس کے ملازموں کی لڑکیاں ایسی طرح دار ہیں تو خود اس کی بیوی کیسی ہو گی۔" وہ کیسی بے باکی سے اس کے حسن کی تعریف کر گیا تھا۔

"جی تسی مجھ سے کچھ کہندے او۔" اب وہ اپنی مسکراہٹ پر قابو پا چکی تھی اور بہت مسکین صورت بنائے پوچھ رہی تھی۔

"اجی اگر پنجابی نہیں آتی تو اس پر ظلم کیوں توڑ رہی ہیں۔ اپنی زبان میں بات کیجیے۔" وہ نعمانہ کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش میں مسکرا کر بولا۔

نعمانہ ابھی کوئی موزوں جواب ڈھونڈ ہی رہی تھی کہ ریحان کی کار گیٹ میں داخل ہوئی۔ جسے دیکھ کر نعمانہ کی ساری شوخی اور چونچالی رخصت ہو گئی۔ نوجوان کی توجہ ریحان کی طرف مبذول کرانے کے لیے وہ گھبراہٹ میں بولی۔

Look your Friend Has Come

(دیکھیے آپ کے دوست آ گئے ہیں۔)

تو وہ بے تحاشا ہنسنے لگا۔ نعمانہ نے گھبرا کر چلا جانا چاہا مگر ریحان چشم زدن میں کار ان کے قریب لے آیا اور جلدی سے اتر کر آفاق سے لپٹ گیا۔ اس کی طرف اس نے دیکھا تک نہیں۔ جو اس وقت اس خیال سے سہمی جا رہی تھی کہ کہیں آفاق سے کیا ہوا مذاق مہنگا نہ پڑے۔ اور پھر ریحان آفاق سے پوچھ رہا تھا۔

"تم یہاں کب آ گئے۔ مجھے اطلاع کیوں نہ دی؟" لہجہ گلہ آمیز تھا۔

"بتانے کا موقع ہی نہ ملا۔ لیکن دیکھو تو یہاں پہنچتے ہی تمہارے پاس آیا ہوں۔" آفاق بولے۔ دونوں کو آپس میں باتیں کرتے دیکھ کر نعمانہ نے چپکے سے کھسک جانا چاہا۔ اسے جاتا دیکھ کر ریحان نے باتیں

کرتے کرتے اس کا تعارف آفاق سے کرایا۔

"ان سے تو ملو یہ تمہاری بھابھی ہیں۔"

"ہائیں کیا واقعی..... لیکن انہوں نے تو کچھ اور ہی بتایا تھا۔" آفاق نے ایک شوخ مسکراہٹ لیے اس کی طرف دیکھ کر کہا۔

"کیا بتایا تھا؟" ریحان نے کچھ سنجیدہ ہو کر پوچھا۔ آفاق نے نعمانہ کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر بات بنائی۔

"کچھ نہیں۔ یہ کہہ رہی تھیں تم ان کے پڑوسی ہو۔ حالانکہ میں تو پہلے ہی سمجھ گیا تھا کہ یہ آسمانی حور ریحان کی ملکیت ہی ہو سکتی ہے۔" آفاق کی پرشوق نگاہیں اس کے حسین چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔

"آسمانی حور۔" ریحان نے زیر لب کہا اور اس پر ایک بھرپور نظر ڈالی۔ جھکی جھکی بھیگی بھیگی رخساروں پر کانپتی ہوئی پلکیں۔ حسین چہرے پر گھبراہٹ اور سراسیمگی۔ اس پر نفاست سے زیب تن کیا لباس اور زیور ہاتھوں میں پھولوں سے لدی ٹوکری۔ اس کو واقعی کسی حور سے مشابہ کر رہی تھی۔ ریحان متاثر ہوئے بغیر نہ رہا۔ مگر آفاق کی پرستائش بات کو ایک قہقہے میں اڑاتے ہوئے بولا۔

"تم تو غلطی سے فوج میں چلے گئے ورنہ تمہیں تو شاعر ہونا تھا شاعر۔" اس کا قہقہہ نعمانہ کی سماعت پر ایک ضرب بن کر لگا جیسے وہ اس کا مذاق اڑا رہا ہو۔ وہ آفاق پر ایک شکستہ سی نظر ڈالتی اندر چلی گئی جو ہنس کر کہہ رہا تھا۔

"تو کیا فوجی واقعی تمہارے خیال میں شاعر نہیں ہوتے؟ اور میں نے غلط تعریف تو نہیں کی۔" اس کے اندر جانے کا ریحان نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ آفاق نے اسی وقت تاڑ لیا کہ دونوں کے درمیان کچھ کشیدگی ہے۔ اس لیے انہوں نے جان کر کہا۔

"اتنی خوب صورت بیوی ملنے پر تم مبارک باد کے مستحق ہو مگر یار بے مروتی کی حد کر دی کہ شادی میں بلایا تک نہیں اور چپکے سے اتنی خوب صورت بیوی پر قبضہ جما کے بیٹھ گئے۔"

"چھوڑو ان شکوے شکایتوں کو ___ یہ بتاؤ اب یہاں کب تک تمہارا بسیرا رہے گا۔ اپنا گھونسلہ کہاں بنایا ہے شہر میں یا چھاؤنی میں۔" ریحان نے جلدی سے بات ہی گھما دی۔

"ظاہر ہے شہر میں گھونسلہ بنانے کی ہم شاہینوں کو عادت کہاں۔ لہٰذا شہر کے ہنگاموں سے دور ہی بسیرا کریں گے۔ لیکن کیا مجھے یہیں سے رخصت کرنے کا ارادہ ہے یا بھابی نے اندر جانے پر کوئی پابندی لگا رکھی ہے۔ جو تم باہر کے باہر ہی نمٹانا چاہ رہے ہو۔" آفاق نے اپنی مخصوص شوخی سے ریحان کو اس کی بے خیالی پر ٹوکا تو وہ کچھ خفیف سا ہو کر بولا۔

"تم خود ہی یہیں جم کر رہ گئے۔ آؤ اندر چلو نا۔ میں بھی کھڑے کھڑے تھک گیا۔"

"کیا خوب۔ معلوم ہوتا ہے بھابی نے تمہاری پوری عقل پر بھی قبضہ کر لیا ہے۔ جب سے وہ اندر گئی ہیں تم اپنے ہوش میں نہیں ہو۔ جاؤ پہلے ان کے پاس ہو آؤ۔ صبح سے بچھڑے ہوئے ہو وہ بے چاری تمہیں کوس رہی ہوں گی۔" آفاق نے ریحان کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ وہ برابر نوٹ کر رہے تھے کہ نعمانہ کے ذکر پر وہ بدک سا جاتا ہے۔

"تمہارا دماغ چل گیا ہے تمہارا۔ آؤ سیدھی طرح اندر چلو۔" ریحان نے نعمانہ کے ذکر کو پھر ٹال دیا اور آفاق کا ہاتھ پکڑ کر اندر کا رخ کیا مگر اس خیال سے ہراساں ہو گیا کہ اب اندر جاتے ہی آفاق نعمانہ کو بلائیں گے پھر ان کے سامنے وہ مجھ سے بات کرتے ہوئے ہچکچائے گی اور وہ فوراً تاڑ لیں گے اور سب سے زیادہ پریشانی کی بات تو یہ تھی کہ آفاق کی موجودگی میں اسے نعمانہ سے التفات برتنا پڑے گا۔ جس کا وہ بالکل روادار نہ تھا اور اندر پہنچ کر آفاق نے سب سے پہلے نعمانہ کو آواز دی۔

"ارے بھابی! کہاں چھپ گئیں آپ ___ میں تو تھوڑی دیر کے لیے آیا ہوں۔ آپ ادھر تو آئیے۔" یہ سن کر ریحان خود اسے بلانے چل دیا۔ اس خیال سے کہ کہیں وہ آنے سے انکار نہ کر دے۔

نعمانہ ڈرائنگ روم میں پہنچی تو ریحان کی موجودگی کو نظر انداز کر کے آفاق زیادہ تر اسی سے باتیں کرتے رہے اور باتوں کے دوران ہر مرتبہ وہ کوئی نہ کوئی ایسا فقرہ کہہ دیتے کہ نعمانہ سرخ پڑ جاتی۔ نعمانہ نے آفاق کی خوب خاطر و مدارت کی۔ گو ریحان کے سامنے اس کے دوست سے باتیں کرتے نعمانہ کو بڑی تکلیف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ چلتے وقت آفاق نے ایک نیا شوشہ چھوڑا۔

"کل تیار رہنا" ریحان! گھومنے چلیں گے۔" شادی کے بعد تو وہ بھول ہی گئی تھی کہ سیر و تفریح بھی کوئی چیز ہوتی ہے۔ آفاق کی پیش کش پر ریحان کچھ گھبرا گیا۔ کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ نعمانہ نے یہ کہہ کر اس کی مشکل آسان کر دی۔

"لیکن یہاں جتنی تفریح گاہیں ہیں ہم سب دیکھ چکے ہیں۔"

"دیکھ لیں تو کیا ہوا۔ دوبارہ دیکھنا گناہ تو نہیں۔" آفاق جھٹ بولے۔

"نہیں بھئی دوبارہ دیکھنے میں مزا نہیں آتا۔" ریحان نے بات ٹالی۔

آفاق اس روز جیپ نہیں لائے تھے اس لیے ریحان کو انہیں ڈراپ کرنا پڑا۔ آفاق نے نعمانہ سے بھی ساتھ چلنے کو کہا مگر اس نے خوب صورتی سے انکار کر دیا اور جب ریحان آفاق کو پہنچا کر آیا تو سیدھا اس کے کمرے میں پہنچا۔ وہ لباس تبدیل کر کے نائٹ سوٹ پہنے اپنے بستر پر دراز تھی۔ ریحان نے دروازے پر ہی رک کر کہا۔

"آفاق میرا جگری دوست ہے۔ اب وہ تقریباً روز ہی آیا کرے گا۔ آپ کی موجودگی ضروری نہ ہو گی اور مجھے آپ کے یہ تکلفات بھی پسند نہیں۔" ریحان کا لہجہ بے حد کرخت تھا۔ وہ اپنا دل پکڑ کر رہ گئی۔ وہ تو اپنی بات کہہ کر الٹے قدموں واپس چلا گیا اور وہ دکھ اور غصے سے سوچتی رہ گئی۔

"کیسا سنگدل شخص ہے اور کس قدر گہرا ہے۔ ابھی آفاق کے سامنے کیسا بھیگی بلی بنا بیٹھا تھا۔ کیسا

خندہ پیشانی سے پیش آرہا تھا اور اب یہ کیا کہہ گیا۔"

پہلی بار ریحان کے خلاف نعمانہ کے دل میں ناگوار سے خیالات ابھرے وہ بے چاری تو لباس تبدیل کر کے اپنے بستر پر پڑی ریحان کے آج کے یگانگت بھرے رویے کے متعلق ہی سوچ رہی تھی۔ نہ معلوم یہ سب ظاہری باتیں تھیں یا حقیقت پر مبنی اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ریحان نے آکر یہ زہر افشانی کی۔

اس کے خیالات ایک دم آفاق کی طرف پلٹ گئے اور آفاق کا خیال آتے ہی ان کی مردانہ وجاہت، شگفتہ چہرہ اور فوجی وردی میں سجا سراپا نگاہوں میں گھوم گیا۔ آخر آفاق بھی تو مرد ہیں۔ وہ بھی فوجی۔ لیکن کس قدر مہذب، با اخلاق اور شگفتہ مزاج ہیں۔ میرا کتنا احترام کر رہے تھے اور مجھے کتنی اہمیت دے رہے تھے اور میرے مذاق کو کس قدر خوبصورتی سے نبھایا ہے اگر یہی بات جتا دیتے تو میں ان کا کیا بگاڑ لیتی اور ریحان نہ جانے اس مذاق کو کن معنوں میں لیتے آفاق کا خیال آیا تو آتا ہی چلا گیا تب اس نے اپنے آپ کو ملامت کرتے ہوئے سوچا۔

اف توبہ یہ میں کیا سوچنے لگی۔ ریحان شوہر ہونے کے علاوہ میرے محبوب بھی ہیں۔ مجھے کسی غیر شخص کے بارے میں اس قدر نہیں سوچنا چاہیے۔ اچانک ہی ریحان کی تصویر چشم تصور میں ابھری۔ کیسی دلربا شخصیت کے مالک تھے وہ مگر اندر سے کتنے کھوکھلے تھے۔ ان کا تصور کر کے وہ یہی سوچنے پر مجبور ہو گئی۔

......*

آفاق ان دنوں چھٹی پر تھے۔ وہ چار دوستوں کو لے کر روز آدھمکتے۔ نعمانہ حتی الامکان ان کے سامنے جانے سے گریز کرتی لیکن جب وہ بڑے اصرار سے اسے محفل میں شرکت کرنے کی [illegible] تو اخلاق نبھانے کو یا زبردستی اسے جانا ہی پڑتا۔ ریحان بھی بے بس سا ہو کر رہ جاتا۔ بھلا دوستوں کی موجودگی میں کیا عذر کر کے باز رکھ سکتا تھا۔ اس پر دوست تھے کہ کسی نہ کسی بہانے نعمانہ کے حسن کے قصیدے پڑھتے رہتے۔ ریحان کو اس کی اس خوش بختی پر طرح طرح سے مبارکباد دی جاتی۔ نعمانہ کو اس کے حسن کا احساس ان ہی لوگوں نے دلایا تھا اور اسی احساس کے تحت وہ شام کو خاص اہتمام سے تیار ہوتی۔ ریحان نے کبھی اسے اس بات پر نہ ٹوکا تھا۔ "ایک بات ضرور تھی کہ ریحان اس پر زیادہ روک ٹوک نہیں کرتا تھا۔ نہ ہی عام مردوں کی طرح اس کے میکے والوں کی برائی کرتا تھا۔ بلکہ اس کی سج دھج دیکھ کر دل ہی دل میں کچھ خوف سا محسوس کرتا۔ یہ خیال کہ ایک ایسی حسین لڑکی کے حسن کو بے وقعت کر کے رکھ دیا ہے ایک فاتحانہ خوشی کا احساس دلاتا تھا۔ وہ پہلی ملاقات کا منظر ایسے موقعوں پر نگاہوں میں گھوم جاتا تھا جب وہ بہت چہکتی نظر آتی تھی تو اس سے کچھ بیگانگی کا احساس ہوتا کہ وہ یہ بھی بھول جاتا کہ نعمانہ اس کی بیوی ہے اور وہ بڑے غلط طریقے سے اپنے شوہرانہ حقوق کا استعمال کر رہا ہے۔ وہ تو اس کے لیے کچھ ایسی چیز بن گئی تھی جیسے بچپن میں لاشعور میں بیٹھی کوئی ایسی ناگوار حقیقت۔ جس سے بڑے ہونے کے بعد بھی انسان احتراز کرتا ہے۔

اس روز قرینے سے کیے ہلکے ہلکے میک اپ اور سرتاپا سفید لباس میں ملبوس موتی جڑا طلائی سیٹ پہن کر جب وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو آفاق اسے دیکھتے ہی بول اٹھے۔

جھلملاتے ہوئے تارے تیرے آنچل کی کرن
مانگ میں سمٹی ہوئی کہکشاں ہو جیسے!

"واہ بھابی واہ! چشم بددور..... آپ تو آج کچھ اور ہی لگ رہی ہیں کیوں ریحان۔" آفاق کے بے ساختگی سے شعر پڑھنے پر شرمانے کے بجائے گھبرا کر اس نے ریحان کی طرف دیکھا وہ بھی اسی طرف دیکھ رہا تھا۔ اس سے نظر ملتے ہی اس نے جلدی سے نظریں کترالیں۔ وہ اندازہ نہ کر سکی کہ ریحان کے تاثرات کیا ہیں۔ جلدی سے واپس جانے کے ارادے سے مڑ گئی اسے دیکھ کر ہمیشہ کی طرح آفاق احتراماً" کھڑے ہو

گئے اور ان کی وجہ سے ریحان کو بھی کھڑا ہونا پڑا۔۔۔ آفاق جلدی سے اس کا راستہ روکتے ہوئے بولے۔

"آئیے بیٹھئے نا بھابی! ہم تو آپ کی وجہ سے یہاں آتے ہیں اور آپ ہیں کہ ہماری بات تک نہیں پوچھتیں۔۔۔ اور یہ ریحان بے چارہ تو نہ جانے کہاں کھویا رہتا ہے۔" آخری فقرے میں کس قدر گہرائی تھی۔ کہنے کا انداز بھی بہت معنی خیز تھا۔ اس پر آفاق نے قریب ہو کر اس کا راستہ روکنا چاہا۔ وہ سن سی ہو کر رہ گئی۔ بے اختیار اس کی نگاہیں ریحان کی طرف اٹھ گئیں جس کے چہرے پر ناگواری کا احساس دلاتی مسکراہٹ تھی۔ وہ جلدی سے چائے بنانے کے بہانے اپنے کمرے میں آگئی۔ اس کے جانے کے بعد آفاق نے ریحان سے پوچھا۔

"کیا بات ہے ریحان، بھابی خاصی تعلیم یافتہ معلوم ہوتی ہیں لیکن۔۔۔" آفاق اپنی بات کہتے ہوئے ہچکچائے تو ریحان نے متجسس انداز میں پوچھا۔

"لیکن کیا؟"

"لیکن یہی کہ جہاں تک میرا خیال ہے یا تو بھابی بہت تنہائی پسند معلوم ہوتی ہیں یا پھر تم سے بہت شرماتی ہیں۔" آفاق نے قیاس آرائی کی۔

"اور کیا کیا اندازے لگائے تم نے ہمارے بارے میں؟" ریحان نے بات کو مذاق میں اڑانا چاہا۔

"تمہارے بارے میں تو ایک ہی اندازہ ہے مگر بھابی کے بارے میں یقین سے کچھ کہنا مشکل ہی ہے۔" آفاق نے کچھ توقف کے بعد بڑی گہری نظروں سے ریحان کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی شرماؤ نہیں جو کہنا چاہ رہے ہو کہہ دو۔" ریحان نے کچھ دلچسپی کا اظہار کرتے ہوئے ان کی نظروں سے کتراتے ہوئے کہا۔

"تمہارا سلوک بھابی سے وہ نہیں جو ہونا چاہیے۔" آفاق نے صاف گوئی سے کام لے کر سچ بات کہہ دی۔ ریحان بے تحاشہ ہنسنے لگا مگر آفاق کے سنجیدہ چہرے پر مسکراہٹ نہ آئی۔

"تم دراصل حقیقی زندگی سے ابھی متعارف نہیں ہوئے ہو۔ شادی کر لو پھر تجربہ ہو جائے گا۔" ریحان نے بات کی پردہ پوشی کرنا چاہی۔

"خیر اس سے تو مجھے غرض نہیں۔۔۔ لیکن خدا نے مجھے اگر ایسی حسین بیوی عطا کی تو میں تو اس کے پیر دھو دھو کر پیوں گا۔" آفاق سنجیدگی سے بولے۔

"تب تو میاں زن مرید کہلاؤ گے۔" ریحان نے پھر قہقہہ مار کر کہا۔ آفاق سمجھ رہے تھے کہ بات ٹالنے کو ہنسی کی آڑ لی جا رہی ہے۔۔۔!

"ہاں ایسے حسینوں کی زن مریدی میں بھی ایک لطف ہوگا۔" آفاق اسی سنجیدگی میں بولے۔

"تمہارے اعصاب پر تو معلوم ہوتا ہے عورت سوار رہتی ہے لیکن کالج کے زمانے میں تو تم ایسے نظر باز نہ تھے۔" ریحان کے لہجے میں چوٹ تھی جسے محسوس کر کے آفاق کھوئے کھوئے انداز میں بولے۔

"جب نہیں تھا مگر اب ہو گیا ہوں یہی سمجھ لو۔"

"اچھا خیر تو ہے۔ کیا کسی کی زلف گرہ گیر کے اسیر ہو گئے۔" ریحان نے ظاہری شوخی سے کہا مگر اس کے ذہن میں عجیب سے خیالات کھدبدانے لگے۔

"ہوں۔۔۔ ہو گیا ہوں۔" آفاق کسی کے خیال میں غرق ہو کر بولے۔

"خدا رحم کرے۔۔۔ مگر وہ ہے کون؟" ریحان نے متجسس انداز میں پوچھا۔

"وہ۔۔۔ کون ہے؟ یہ تو تمہیں وقت آنے پر ہی بتاؤں گا۔" آفاق نے کچھ توقف کے بعد جواب دیا۔ اس پر ریحان کچھ چپ سا ہو گیا۔ آفاق ادھر ادھر دیکھ کر بولے۔

"یہ بھابی کہاں غائب ہو گئیں۔"

"شاید چائے بنانے گئی ہیں۔ آؤ ذرا دو دو ہاتھ ہو جائیں۔" ریحان تاش کی گڈی اٹھا کر پھر نعمانہ کا ذکر ٹال کر بولا۔ آفاق نے آمادگی کا اظہار کرتے ہوئے پھر کہا۔

"مگر بھابی کو تو بلا لو۔"

"ارے چھوڑو یار! وہ کیا کریں گی آکر۔ انہیں کھیلنا تو آتا نہیں۔" ریحان نے بات بنائی۔

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com
UrduPhoto.com

"دکھیلنا نہیں آتا تو بیٹھ ہی جائیں گی۔" پھر وہ خود نعمانہ کو آوازیں دینے لگے۔ آخر نعمانہ کو نہ چاہتے ہوئے بھی آنا پڑا۔ چائے تیار ہو گئی تھی' اس لیے ملازم سے چائے بجھوا کر وہ آ گئی۔

"آیئے' آیئے حضور تشریف رکھئے۔" آفاق اس کا سواگت کرتے ہوئے بولے۔ وہ خاموشی سے صوفے پر بیٹھ گئی تو انہوں نے مسکرا کر جیب میں ہاتھ ڈالا اور بولے۔

"میں نے خالی خولی آپ کا وقت خراب کرنے کو آپ کو نہیں بلایا بھابی! بلکہ وہ قرض اتارنے کی غرض سے بلایا ہے جو آپ کی شادی کے سلسلے میں مجھ پر واجب تھا۔ یہ لیجئے یہ حقیر سا نذرانہ ہے۔ ریحان سے کتنی بار کہا بھی تھا کہ کسی دن آپ کو لے آئے تاکہ آپ خود اپنی پسند کا تحفہ خرید سکیں مگر یہ تکلف برت گیا۔ وہ بھی مجھ سے۔" آفاق نے اپنی جیب سے ایک خوب صورت چوکور مخملیں ڈبہ نکال کر نعمانہ کی طرف بڑھاتے ہوئے اتنی لمبی تمہید باندھی تو بے اختیار اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

"مگر اس تکلف کی ضرورت ہی کیا تھی۔ آپ کا خلوص ہی ہمارے لیے کسی تحفے سے کم نہیں۔" اس کے منہ سے یہ الفاظ بے اختیار پھسل پڑے۔ آفاق کی نگاہوں میں عجیب سی چمک آ گئی۔ وہ دبی دبی مسکراہٹ لیے بولے۔

"یہ جمع متکلم کا صیغہ استعمال کر کے آپ نے بات کو الجھا کر رکھ دیا ہے۔"

"جی میں سمجھی نہیں؟" نعمانہ کی سمجھ میں واقعی ان کی بات نہ آئی۔ ریحان جواب تک بظاہر پتوں پر نظریں جمائے ہوئے تھا لیکن سن سب رہا تھا۔ آفاق کے اس فقرے سے بہت محظوظ ہوا اور آفاق کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگا۔

"ارے بھئی پہن کر تو دکھایئے بھابی! آپ نے تو کھول کر دیکھا تک نہیں۔" آفاق پھر اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے۔ ان کے کہنے پر نعمانہ نے وہ ڈبہ کھول کر دیکھا۔

نہایت نفیس اور جگمگاتا ہوا طلائی سیٹ تھا۔ اسے اتنا پسند آیا کہ تشکر آمیز نظروں سے آفاق کی طرف دیکھ کر متبسم انداز میں بولی۔

"اف کس قدر خوب صورت ہے..... اور اس سے زیادہ وہ جذبہ جس کے تحت آپ نے یہ سیٹ دیا۔"

اظہار تشکر کا یہ انداز بے حد حسین تھا۔ آفاق اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔

ریحان کی پیشانی پر شکنیں پڑ گئیں۔ مگر نعمانہ نے دانستہ اس کی موجودگی کو فراموش کر دیا اور وہیں بیٹھے بیٹھے اپنا زیور اتار کر آفاق کا عطا کردہ وہ سیٹ پہن لیا۔ آفاق کی تمام تر توجہ اس کی طرف تھی۔ سیٹ پہن کر اس نے آفاق کی طرف مسکرا کر دیکھا..... ایک لمحے کو دونوں کی نگاہیں ملیں۔ آفاق کی نگاہوں میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ شرما کر اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ تب ہی ریحان نے ایک نظر اس پر ڈال کر کہا۔

"ذرا چائے تو بنا دیجئے کب سے پڑی پڑی ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" ٹرالی جلدی سے اپنی طرف کھینچ کر وہ خاموشی سے چائے بنانے لگی اور آفاق کھیل میں مصروف ہو گئے۔ چائے دے کر نعمانہ اٹھ کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی۔ نعمانہ نے بلا تامل جس طرح آفاق کا تحفہ قبول کیا تھا۔ ریحان دل ہی دل میں اس جسارت پر حیرت زدہ تھا۔ آفاق چلے گئے تو نہ جانے کس خیال کے تحت وہ نعمانہ کے کمرے کی طرف چلا آیا۔ اندر سے گنگنانے کی ترنم ریز آواز آ رہی تھی۔ اس نے کھڑکی سے جھانک کر دیکھا۔ سنگھار میز کے بڑے سے آئینے کے سامنے بیٹھی آفاق کا دیا ہوا زیور پہنے وہ اپنے ناخنوں پر نیل پالش لگا رہی تھی۔ ریحان ہونٹ کاٹتے کچھ دیر اسے دیکھتا رہا۔ پھر کچھ سوچ کر اس کے کمرے کی طرف بڑھا مگر پھر وہیں سے پلٹ گیا۔ اس نے آفاق کے تحفے کے بارے میں ایک لفظ تک نہ کہا تھا..... مگر جب دوسرے دن بھی اسے وہی سیٹ پہنے دیکھا تو بڑے طنز آمیز لہجے میں بولا۔

"معلوم ہوتا ہے' آپ نے کبھی زیور نہیں پہنا تبھی تو دوسروں کی دی ہوئی چیز پہن کر اتنا فخر محسوس کر

رہی ہیں۔"

لہجے میں ایسی کھنک تھی کہ نعمانہ کا دل چاہا وہ سیٹ کو توڑ پھوڑ کر پھینک دے۔ پھر اسی وقت وہ سیٹ اتار آئی مگر پھر ریحان نے نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا تک نہیں' وہ آفس سے آ کر حسب معمول تیار ہو کر کہیں جا رہا تھا۔ وہ چلا گیا تو نعمانہ یہ سوچتی رہ گئی کہ اس طرح وہ کب تک اس سے نبھا سکے گی۔

——*

اس روز آفاق آئے تو وہ پائیں باغ میں بیٹھی کسی رسالے کی ورق گردانی کر رہی تھی۔ ریحان اندر تھا۔ آفاق کو دیکھتے ہی انجان سی بنی وہ بھی اندر چلی گئی۔ آفاق نے اسے جاتا دیکھ لیا تھا۔ ریحان کے آتے ہی بولے۔

"یار اب میں نہیں آیا کروں گا۔"

"کیوں کیا مار کھانے کا ارادہ ہے۔" ریحان نے ان کے سنجیدہ چہرے پر نظر ڈالی اور شگفتگی سے کہا۔

"نہیں..... واقعی اب میں نہیں آؤں گا۔" آفاق پر بدستور سنجیدگی طاری تھی۔

"خیر تو ہے..... کس موڈ میں آئے ہو بھئی! جو آتے ہی جانے کی فکر پڑ گئی۔" ریحان نے ان کے شانے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"دراصل بھابی میرا یہاں آنا پسند نہیں کرتیں۔" آفاق نے بتایا۔

"پاگل ہیں آپ بھی۔ بھلا ان کے پسند کرنے اور نہ کرنے سے کیا ہوتا ہے۔ تم میرے دوست ہو اور میری وجہ سے یہاں آتے ہو۔" ریحان نے اپنی دانست میں بڑے لاڈ سے بگڑ کر کہا۔

"مگر مجھے تو یہ اچھا نہیں لگتا کہ بھابی کو میری وجہ سے تکلیف پہنچے۔" آفاق بولے۔

"تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے' دیکھوں گا تم کیسے نہ آؤ گے۔ مدت بعد تو ملنا نصیب ہوا ہے۔ پھر تمہاری بھابی تو بہت فراخ دل رکھتی ہیں۔ تم خواہ مخواہ کے وہم میں مبتلا ہو۔" ریحان نے اپنی دوستی کے زعم میں کچھ برہمی کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

آفاق کے بغیر اسے چین بھی تو نہ پڑتا تھا۔ حالانکہ اور بھی بہت سے بے تکلف دوست تھے۔ مگر آفاق کی بات ہی کچھ اور تھی' اسے آفاق کی ذات پر پورا پورا بھروسہ تھا اور اپنی دوستی پر ناز۔ اسکول سے لے کر کالج کے زمانے تک کے عرصے تک دونوں کا ساتھ رہا تھا پھر گریجویشن کے بعد آفاق فوج میں چلے گئے اور ریحان نے انجینئرنگ میں داخلہ لے لیا۔ لیکن گاہے گاہے ملاقات ہوتی رہی۔

مگر جرمنی جانے اور وہاں سے واپس آنے کے بعد اب ملاقات ہوئی تھی۔ ویسے خط کتابت برابر جاری رہی تھی۔ ریحان نے آفاق کو ہر لحاظ سے اور ہر معاملے میں بہت اونچا پایا تھا اور اس کی نظروں میں آفاق بہت مضبوط کردار کے مالک تھے۔

ڈرائنگ روم میں آ کر دونوں دوست پھر تاش میں جت گئے۔ ملازم جو چائے رکھ گیا تھا' پڑی پڑی ٹھنڈی ہو رہی تھی۔ آفاق نے اتنی دیر میں ایک بار بھی نعمانہ کو بلانے کی خواہش ظاہر نہیں کی تھی۔ یہی دیکھ کر ریحان نے خود اسے بلوا لیا۔ وہ آئی تو ریحان نے بڑی لگاوٹ سے کہا۔

"ذرا چائے تو بنا دیجئے سرکار! آپ کے انتظار میں کب سے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔" ریحان نے پہلی بار اتنی لگاوٹ سے کہا تو وہ بے چاری کسی خوش فہمی میں مبتلا نہ ہوئی بلکہ دل پر ایک چوٹ سی پڑی۔ یہ شخص جسے وہ کبھی بہت سیدھا سادا سمجھتی تھی۔ کتنی گہری اور دوہری فطرت کا حامل ہے۔ آفاق کے سامنے کیسی لگاوٹ کا اظہار کر رہا ہے اور ان کے جاتے ہی کوئی ایسی زہر افشانی کرے گا کہ دل ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گا۔ اتنا گہرا ہے کہ اس کی دلی کیفیت کا اندازہ اس کے چہرے سے لگانا بھی مشکل ہے۔

"بہت خاموش ہیں بھابی! کیا بات ہے۔" آفاق نے جو ہمیشہ کی طرح اس کی آمد پر احتراماً کھڑے ہو کر بیٹھ چکے تھے..... اسے اپنی طرف متوجہ نہ دیکھ کر پوچھا..... وہ پیالیوں میں بھاپ اٹھتی چائے انڈیل رہی تھی۔

"کیا بات ہوگی..... آپ لوگ کارڈز کھیل رہے

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com
UrduPhoto.com

ہیں۔ میں بات کروں گی تو ڈسٹرب ہوں گے۔" نعمانہ کی بات میں رکھائی تھی' جسے ریحان نے بھی محسوس کیا۔

تبھی ریحان نے آفاق کی نظر بچا کر اس کی طرف اس انداز سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ یہاں سے فوراً اٹھ کر چلی جاؤ اور وہ "ابھی آتی ہوں" کہہ کر اسی وقت وہاں سے اٹھ گئی۔

گو یہ اندازہ تو بہت پہلے لگا لیا تھا کہ ریحان اس کا آفاق کے سامنے اٹھنا بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ مگر آج اچھی طرح یقین ہو گیا۔ خود اسے ان کے سامنے جانا کب اچھا لگتا تھا۔

ان کے بے باک فقروں سے زیادہ ان کی پرکشش نظروں میں کچھ ایسی تاثیر ہوتی تھی کہ اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب سی ہو جاتیں۔

......*

پنڈی میں ریحان کے نئے اور پرانے بہت سے دوست تھے۔ جن میں سے چند سے آفاق کی بھی دوستی تھی۔ ریحان نے اب تک کسی سے ملایا بھی نہ تھا' وہ تو آفاق کی وجہ سے دوسرے دوست ریحان کے گھر آئے تو نعمانہ سے تعارف ہوا۔ ان ہی دوستوں میں سے ایک دوست نے ریحان اور نعمانہ کو ڈنر پر مدعو کیا تھا۔ ڈنر ان کے اعزاز میں ہی تھا۔ آفاق بھی مدعو تھے مگر ریحان نے نعمانہ کو اب تک نہیں بتایا تھا۔ نہ جانے کیوں اپنے منہ سے اسے ڈنر پر چلنے کے لیے کہنا اسے اچھا نہیں لگا مگر کہے بنا چارہ بھی نہ تھا۔

"صفدر نے آپ کو ڈنر دیا ہے آج۔" ریحان نے حسب دستور اس کے کمرے کے دروازے پر رک کر کہا۔ جواب میں وہ خاموش رہی۔ ریحان جھنجلا کر بولا۔

"میں کسی خوش وقتی میں آپ سے بات کرنے نہیں آیا.... سات بجے تک تیار رہیے گا۔" اتنا کہہ کر اس کا جواب سنے بغیر وہ وہیں سے پلٹ گیا۔ مگر اس کے دل پر نشتر سا چھو گیا۔ کوئی بات بھی تو طنز سے خالی نہیں ہوتی۔ اس نے آزردہ ہو کر سوچا۔

اور جب سات سے سوا سات ہو گئے اور وہ اپنے کمرے سے نہ نکلی تو ریحان کو تاؤ آ گیا۔ "یقیناً" وہ اپنی خوب صورتی میں اضافہ کرنے کے لیے سولہ سنگھار کر رہی ہو گی۔ تب ہی تو اب تک تیار نہیں ہوئی۔ اس نے نفرت سے سوچا اور تیزی سے اس کے کمرے کے دروازے پر آیا۔ اندر جھانک کر دیکھا.... وہ گھر کے معمولی لباس میں اپنے بستر پر پڑی تھی۔ غصے کے مارے اس کی بری حالت ہو گئی۔

"نعمانہ!" اس نے زور سے پکارا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی۔

"میں نے تو کہا تھا' ٹھیک سات بجے تیار ہو جائیں لیکن آپ اب تک پلنگ توڑ رہی ہیں۔" اس نے بڑے سخت لہجے میں کہا۔ روزانہ تو اس وقت پائیں باغ میں چہل قدمی کرتی ہے اور آج جان کر اکھوالی کھٹوالی لیے پڑی ہے۔ یہی دیکھ کر تو اور بھی غصہ آیا۔

"میں وہاں نہیں جاؤں گی' آپ چلے جائیے۔" پہلی بار اس نے حکم عدولی کی جسارت کی۔

"میں تو جا رہا ہوں لیکن آپ دس منٹ میں تیار ہو جائیے گے۔"

"لیکن میرا وہاں جانے کا موڈ نہیں ہو رہا۔"

"میں آپ سے آخری بار کہہ رہا ہوں کہ فوراً تیار ہو جائیے آپ کو میرے ساتھ چلنا ہے' چاہے موڈ ہو یا نہ ہو۔"

ریحان نے غصے میں کہا اور چلا گیا تو ناچار اسے تیار ہونا پڑا۔ اس کی حکم عدولی کر کے اپنی تلخ زندگی کو مزید تلخ بنانا اسے گوارا نہ تھا۔ بستر سے اٹھتے ہی اس کا موڈ بھی بدل گیا۔ نہ جانے یہ شخص اپنے آپ کو کیا سمجھتا ہے۔ میں کیا کسی سے کم ہوں میرے حسن کی تعریفیں کرتے لوگوں کا منہ خشک ہوتا ہے تو پھر میں کیوں ماسی صورت بنا کر جاؤں۔ اسے پتا تو چلے کہ دوسروں کی نگاہوں میں میری حیثیت کیا ہے۔ یہی سوچ کر اس نے اپنی الماری کھولی اور اپنے جہیز کی ارغوانی رنگت کی قیمتی ساڑھی نکالی اور اس کے کام کی مناسبت سے طلائی سیٹ منتخب کیا۔ پھر منہ ہاتھ دھو کر بڑی خوب

صورتی سے میک اپ کیا۔ ساڑھی باندھی زیور پہنا اور بالوں کا خوب صورت سا اسٹائل بنا کر موتیا کے پھولوں کا گجرا ہیر بینڈ کی صورت میں بالوں میں لگا لیا پھر شنیل میں اپنے آپ کو "تقریباً" بھگو دیا اور جب وہ تیار ہو کر باہر نکلی تو ریحان کو ایک بے چینی کے عالم میں اپنے انتظار میں ٹہلتے پایا۔ اسے دیکھ کر کچھ لمحوں کو تو وہ دیکھتا ہی رہ گیا.... لیکن اپنی اس بے ساختگی کو ماتھے پر شکنیں ڈال کر اور سگریٹ کو اپنے پیروں تلے روند کر چھپا لیا اور کار کی طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

"چلیے اب یہاں کھڑی کیا سوچ رہی ہیں۔ پورا آدھ گھنٹہ لیٹ کر دیا۔ کسی بات کا بھی ڈھنگ نہیں۔"

کیسی دل آزار بات تھی۔ مگر اس نے زیادہ محسوس نہیں کی اتنے میں اس نے اس کے لیے اگلی سیٹ کا دروازہ کھول دیا تھا وہ چپ چاپ کار میں بیٹھ گئی۔ کسی پارٹی میں اس کے ساتھ جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ یہ تو اسے اطمینان تھا کہ کسی کے سامنے وہ اپنی بداخلاقی اور لاتعلقی کا مظاہرہ نہیں کرے گا۔ پھر بھی دل بجھا بجھا سا رہتا۔ راستہ سارا نہایت خاموشی سے طے ہوا۔ میزبان کا گھر آتے ہی ریحان انتہائی لہجے میں بولا۔

"اب وہاں کوئی ایسا مظاہرہ نہ کرنا کہ مجھے شرمندہ ہونا پڑے۔" ان کی بات پر حیران ہو کر نعمانہ نے اس کی طرف دیکھا۔

"بات بات پر میری طرف دیکھتی ہیں تو لوگ سمجھتے ہیں کہ میں آپ پر جبر و تشدد کرتا ہوں۔ نہ جانے اس طرح آپ دوسروں پر کیا جتانا چاہتی ہیں۔ یہ باتیں مجھے بالکل پسند نہیں۔"

اتنا کہہ کر ریحان کار سے اتر گیا اور اسے اپنی ناقدری پر رونا آ گیا۔ اپنا سنگھار اپنا لباس اور اپنا حسن سب مٹی سا لگا.... نازک سے دل پر تیر سے چل گئے۔ مگر دل کو سنبھال کر بہرحال اترنا ہی پڑا۔ ان کو دیکھتے ہی صفدر ان کی بیگم مع آفاق کے ان کی طرف لپکے۔ بیگم صفدر بڑے پیار سے اس کا ہاتھ پکڑ کر بولیں۔

"آپ کے متعلق جتنا سنا تھا' اس سے زیادہ پایا..... اتنی خوب صورت بھابی کو کہاں سے چرا لائے ہیں ریحان بھائی۔" آخری فقرہ بیگم صفدر نے ریحان کو مخاطب کر کے کہا۔

"پتا نہیں ہم تو تلاش کرتے کرتے تھک گئے۔ ہمیں تو ایسی کوئی ملی نہیں۔" ریحان کے بجائے آفاق نے منہ لٹکا کر کہا۔ جب سے وہ آئی تھی آفاق کی پر اشتیاق نگاہیں برابر اس کے حسن سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"ندیدے جو ٹھہرے نیت سالم رکھو تو تمہیں بھی کوئی نہ کوئی پری وش مل جائے گی۔" ریحان نے اتنی برجستگی سے کہا کہ ایک قہقہہ پڑا اور آفاق جھینپ کر رہ گئے۔

اندر مہمان بھرے پڑے تھے.... صفدر نے کافی بڑے پیمانے پر ڈنر دیا تھا۔ اندر بھی واقف کاروں نے نعمانہ کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ نعمانہ کو اتفاق سے اپنے کالج کے زمانے کی ایک سہیلی عائشہ مل گئی جو اس کے ساتھ ساتھ لگی رہی۔ یہی دیکھ کر صفدر بولے۔

"مجھے آپ پر رشک آ رہا ہے مس عائشہ! اپنی جگہ مجھے ہی دے دیجیے۔"

"بھئی میری بیوی کو اتنا پریشان نہ کرو۔" ریحان بڑی لگاوٹ سے بولا تو بے اختیار اس کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ اٹھ گئیں۔ مگر اس کی تاکید کا خیال آتے ہی گھبرا کر اس نے نظریں جھکا لیں۔ اس لمحے میں اس نے ریحان کے چہرے پر پھیلی فاخرانہ سی مسکراہٹ دیکھ لی تھی۔ مگر اس مسکراہٹ کا مطلب سمجھنے سے وہ قاصر تھی۔

پھر ڈنر شروع ہوا تو سب اس کی خاطر تواضع میں لگ گئے اور اس طرح اسے اپنی اہمیت کا احساس کچھ زیادہ ہی ہو گیا۔ کھانے کے دوران ریحان جان کر اس سے کچھ فاصلے پر کھڑا ہو گیا۔ تبھی آفاق نے اسے کوئی چیز آفر کی جو مسکرا کر اس نے لے لی۔ آفاق اس کے بالکل قریب کھڑے کھانے کے ساتھ ساتھ باتیں بھی کرتے رہے۔ جواب میں وہ بڑی دلربائی سے مسکراتی رہی۔ ریحان کی نظریں بار بار پڑتی رہیں۔ پھر

کھانا کھانے کے بعد جیسے ہی سب لوگ ہال میں گئے۔ آفاق نے نعمانہ کا راستہ روکتے ہوئے کہا۔
"تھوڑی سی لفٹ ہمیں بھی دے دیا کیجیے بھابی! مانا کہ آپ بہت حسین ہیں مگر اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ دوسرے کو گردانا ہی نہ جائے۔" ان کی بات پر محجوب سے انداز میں مسکرا کر نعمانہ نے ان کی طرف دیکھا۔ رات کے سیاہ سوٹ میں وہ بے حد وجیہہ لگ رہے تھے۔ نگاہوں میں وارفتگی سی جھلک رہی تھی۔ نعمانہ کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ مسکرانے کا یہ انداز آفاق کے دل میں ہلچل سی مچا گیا۔ "بھابی! آپ کیا ہیں؟ کوئی میرے دل سے پوچھے۔"

ان کے ہونٹوں پہ تبسم کا یہ ہلکا سا خمار
جیسے گلشن میں دبے پاؤں چلی آئے بہار

"آپ کی مسکراہٹ تو دلوں پر قیامت سی ڈھا جاتی ہے۔" آفاق کی اس بے باکی پر وہ شرم سے سرخ پڑ گئی۔ ان کی بات ناگوار بھی گزری۔ مگر نہ جانے کیوں وہ اپنی ناگواری کا اظہار ان پر نہ کر سکی ورنہ آفاق کی جگہ کوئی اور ہوتا تو اسے ایسی جھاڑ پلاتی کہ عمر بھر وہ یاد رکھتا۔ بس اتنا ہی کہہ سکی۔
"آپ تو بہت بناتے ہیں آفاق بھائی۔"
"بناتا نہیں بلکہ سچ کہتا ہوں۔ تیرے تیر نیم کش کو کوئی میرے دل سے پوچھے۔۔۔ مگر دل سے پوچھنے کا وقت بھی تو کب کا گزر چکا۔۔۔ خیر میرے لیے یہی کیا کم ہے کہ آپ میرے عزیز ترین دوست کی بیوی ہیں۔"
وہ کچھ زیادہ ہی بے باک ہو گئے تھے اور بات کرنے کا انداز نعمانہ کو سخت ناگوار گزرا۔ وہ کوئی جواب دینے ہی والی تھی کہ پیچھے سے ریحان نے آ کر کہا۔
"کیا راز و نیاز ہو رہے ہیں آپ دونوں میں۔۔۔ ہال میں چلو سب منتظر ہیں۔" وہ دھک سے رہ گئی۔ ریحان کے لہجے میں طنز بھی چھپا تھا۔ شاید اس نے آفاق کی گفتگو سن لی تھی اور یہ واقعہ بھی تھا۔ مگر ریحان نے آخری فقرہ ہی سنا تھا۔ بہرحال اس وقت اس نے نظر ملانے کی ہمت نہ پڑی اور دونوں دوستوں سے پہلے وہ ہال میں آ گئی۔

پارٹی کے اختتام پر صفدر نے انہیں رخصت کرتے وقت ریحان کے کان میں شرارت سے کہا۔
"میری بیوی کا خیال ہے کہ آج بھابی کی خیر نہیں۔۔۔ بے چاری کو آرام بھی کرنے دینا۔"
صفدر کے بیوی کی آڑ لے کر اپنے دل کی بات کہنے پر ریحان بے تحاشا ہنسنے لگا۔ حالانکہ یہ ہنسی دل کے اس تصور کو توڑ دینے کے لیے تھی جو پہلے سے صفدر نے بندھوانا چاہا تھا۔ ایسے موقعوں پر یعنی جذبات میں ہلچل سی مچتی دیکھ کر وہ ہنسی یا غصے کی آڑ لیا کرتا تھا۔ آخر تو مرد تھا وہ بھی ایک حسین اور نوجوان بیوی کا شوہر۔ آفاق اس وقت کچھ چپ چپ سے تھے۔ ریحان نے محسوس تو کیا مگر ان کی خاموشی پر انہیں ٹوکا نہیں اور جب وہ گھر واپس جا رہے تھے تو کار ڈرائیو کرتے کرتے اس کی نگاہیں بار بار اس کی طرف اٹھ رہی تھیں جو خاموش بیٹھی سامنے دیکھتے نہ جانے کیا سوچ رہی تھی۔ ضرور وہ آفاق کے بارے میں ہی سوچ رہی ہو گی۔ پہلی بار اس کے دل میں شبہات سرسرائے۔ اس نے ایک بار بھی ان کی طرف پلٹ کر نہ دیکھا تھا۔ یہی بات تو اسے کھٹک رہی تھی۔ اپنے شک میں وہ یہ بھی بھول گیا کہ ابھی چند گھنٹے پہلے خود اس نے اسے اپنی طرف دیکھنے کو منع کیا تھا۔
اور جب گاڑی سے اتر کر وہ اندر جانے لگی تو بے اختیار اس کا دل چاہا کہ اسے روک لے۔ مگر کوشش کے باوجود ایسا نہ کر سکا۔ وہ چلی گئی تو بڑی دیر تک کار سے ٹیک لگائے کچھ سوچتا رہا اور وہ جو تمام راستے یہی سوچتی رہی کہ اب وہ کوئی دل آزار بات کہے گا خاموشی سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔
اپنے کمرے میں پہنچ کر بڑی بے دلی کے عالم میں زیور اور لباس اتارتے ہوئے وہ سوچتی رہی۔
میں یہ سارے اہتمام کس کے لیے کرتی ہوں۔

آخر کیوں کرتی ہوں۔ عورت کا سنگھار تو آرائش وغیرہ تو اس کے شوہر کے لیے وقف ہوتی ہے۔۔۔ لیکن میرا شوہر تو اتنا بے حس ہے کہ لوگوں کے احساس دلانے پر بھی نہیں چونکتا۔
آخر یہ سب کیا ہے؟ میں نے کون سا ایسا جرم کیا ہے جس کی میرے شوہر کی نظروں میں معافی نہیں ہو سکتی۔ یہ گہنے، یہ لباس، یہ حسن، یہ شباب، تعلیم اور شخصیت ہر چیز بے معنی اور بے کار ہو کر رہ گئی ہے۔ ریحان نے اسے کس قدر دل گرفتہ کر دیا تھا، وہ تمام کی تمام رات اس نے اپنی بے بسی اور بے چارگی پر آنسو بہاتے گزار دی۔ آفاق کا تصور بھی اشکوں کے اس سیل رواں میں بہہ گیا۔ صبح جب وہ نیند اور گریہ سے بوجھل آنکھیں لیے ناشتے کی میز پر پہنچی تو ریحان کے دل میں پرورش پاتے شکوک پختگی کا سہارا لینے لگے۔ اسے آفاق پر نہیں اس کی نیت پر شبہ تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

آفاق اپنی رہائش گاہ پر پہنچے تو دیر تک اس کے بارے میں سوچتے رہے۔ ریحان ان کے جگری دوست تھے مگر ریحان سے زیادہ ان کا دل نعمانہ کی طرف مائل تھا۔ انہیں اس سے زیادہ ہمدردی تھی۔ نہ جانے کیسا جذبہ تھا وہ۔ ایک طرف ایک عزیز دوست کی بیوی ہونے کا احترام اور دوسری طرف اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، سوتے جاگتے غرضیکہ ہر وقت اس کا حسین سا تصور۔ سوچنے اور غور کرنے کے باوجود ان کی سمجھ میں نہ آتا کہ ریحان اور نعمانہ کے درمیان یہ ناچاقی کیوں ہے۔ ابھی تو ان کی شادی کو سات ماہ کا عرصہ ہی ہوا تھا اور پچھلے دو ماہ سے وہ برابر ان سے مل رہے تھے ایک دن بھی تو انہیں شیر و شکر نہ دیکھا تھا۔ دونوں کے رہائشی کمرے بھی علیحدہ علیحدہ تھے۔ طرز عمل سے لے کر معمولات بھی جداگانہ تھے۔

ریحان کی فطرت سے اسی قدر واقف تھے کہ وہ بے حد سادہ مزاج اور خاموش فطرت کا انسان ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں بھی ایسا ہی تھا۔۔۔ یہ اندازہ تو تھا ہی نہیں کہ وہ کس قدر گہرا اور سنگدل انسان ہے۔ بہرحال ریحان سے زیادہ آفاق کو نعمانہ کے بارے میں سخت تجسس تھا۔ پتا نہیں کیوں دل اس کی طرف کھنچتا محسوس ہوتا۔
اس کا شرمانا، مسکرانا، کترانا اور ان کے بے باک سے فقروں پر طرح دے جانا۔ جرأت بڑھانے کے لیے کافی تھا۔
آفاق کئی دن سے نہیں آئے تھے اور یہ پہلا موقع تھا کہ ریحان نے نہ ان کو بلانے کی کوشش کی اور نہ ان کے آنے کی پرواہ کی۔ وہ تو خود آفاق نے ہی ایک دن آفس میں اسے فون کیا۔ علیک سلیک اور ادھر ادھر کی باتوں کے بعد آفاق نے کہا۔
"کتنی دیر تک فارغ ہو جاؤ گے؟ یہ چند دن تو ہمارے اتنی مصروفیت میں گزرے کہ سر اٹھانے کی بھی مہلت نہ ملی آج میرا آف ڈے ہے۔"
"میں تو شام تک ہی آ سکوں گا۔ ایک میٹنگ اٹینڈ کرنی ہے۔" ریحان نے انہیں ٹالنا چاہا۔
"واہ یار! پھر شام تک یہ بے لطف وقت کیسے گزرے گا۔ بھابی تو ہوں گی نا گھر پر۔۔۔؟" آفاق نے سادہ دلی سے پوچھا۔
"ہاں نعمانہ۔۔۔ معلوم نہیں۔ شاید میکے چلی گئی ہوں۔" ریحان گڑبڑا کر بولے۔
"کیا مطلب۔۔۔ بھابی میکے چلی گئیں اور تمہیں پتا بھی نہیں۔" آفاق اس کی گھبراہٹ تاڑ کر بولے۔
"دراصل ان کے بھائی آ کر ان کو لے جاتے ہیں۔ آج وہ ذکر تو کر رہی تھیں جانے کا۔ گھر کا فون خراب ہے اس لیے مجھے پتا ہی نہیں۔" ریحان نے جھوٹ کا سہارا لیا۔
"اچھا اچھا۔ تو تم کب تک آ سکو گے۔" آفاق نے فوراً بات گھما دی۔
"چھ بجے تک۔۔۔ اگر میٹنگ نہ ہوتی تو پہلے آ جاتا۔" ریحان کچھ اکتاہٹ سے بولا۔

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com
HarfeDua @ OneUrdu.com
UrduPhoto.com

"او کے۔۔۔ سوا چھ بجے ٹھیک تمہارے گھر پر ہوں گا۔" ریحان کا جواب سنے بغیر ہی آفاق نے فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔ ریحان کا دل پھر کام میں نہ لگا۔ اگر آفاق نے گھر فون کر کے پوچھ لیا میرا جھوٹ کھل جائے گا اور۔۔۔ وہ بھی تو تنہائی میں اسے ملے گی۔ یہ خیال آتے ہی آفس میں رکنا دو بھر ہو گیا۔ میٹنگ کا محض بہانہ ہی تھا۔ دراصل وہ آفاق کا گھر پر آنا پسند نہ کرتا تھا۔ سارے کام چھوڑ کر ریحان جلد جلد گھر پہنچا تو دیکھا۔۔۔ وہ ہاؤس کوٹ پہنے بیسنوں میں شرابور پودوں کی سینچائی کر رہی ہے۔ اس کے خلاف معمول آنے کا اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ مگر سرخ رنگ کی بجری پر آفاق کی جیپ کے پہیوں کے نشان دیکھ کر جو اطمینان اسے کام میں منہمک دیکھ کر ہوا تھا غم و غصے میں بدل گیا۔ اس سے کچھ پوچھنے کے بجائے وہ سیدھے حمید (ملازم) کے پاس پہنچا وہ بھنتی ہوئی پتیلی میں سے بوٹیاں چرا کر کھا رہا تھا۔ اسے اتنے غیر متوقع کھڑے دیکھ کر ایسا بوکھلایا کہ جلتی ہوئی پتیلی کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔۔۔ مگر ریحان تو اپنی ہی دھن میں تھا اس نے اس کی حرکت کو نوٹ تو کیا لیکن کچھ کہا نہیں بلکہ پوچھنے لگا۔

"کوئی آیا تو نہیں تھا حمید!"

"جی صاحب! وہ میجر صاحب آئے تھے۔" ملازم نے بتایا۔

"اچھا تو کیا بیٹھے تھے۔؟" ریحان نے اپنے چہرے کی بدلتی ہوئی رنگت کو چھپا کر پوچھا۔

"جی نہیں۔ بیگم صاحب اس وقت سو رہی تھیں۔ میں نے کہا بھی کہ انہیں جگا دوں لیکن میجر صاحب نے منع کر دیا اور واپس چلے گئے۔" نوکر کی وضاحت سے ریحان کو چین آیا۔ وہ ضرور مجھے فون کرنے کے بعد آیا ہو گا۔ یہ معلوم کرنے کہ نعمانہ گھر پر ہے یا نہیں ریحان نے سوچا اور خود اپنی غلط بیانی پر غصہ آیا تو سیدھا نعمانہ کے پاس پہنچا۔

"آفاق آیا تھا کیا؟" بڑے چبھتے ہوئے لہجے میں سوال ہوا۔

"نہیں۔۔۔ کیوں کیا بات ہے؟" اس کے لہجے کی چبھن کو محسوس کر کے نعمانہ نے کام سے ہاتھ روک کر پوچھا۔

"بات کیا ہوتی۔ آپ تو بس ہر وقت پڑی سوتی رہا کیجئے۔ وہ بے چارہ آ کر واپس بھی چلا گیا اور آپ کو خبر تک نہیں ہوئی۔۔۔ کیا سوچتا ہو گا کہ آپ کیسی بد اخلاق ہیں۔" اپنی ساری کھسیاہٹ بڑے سخت الفاظ میں اس نے نعمانہ پر اتاری اور نعمانہ ان سخت الفاظ پر آنسو پی کر رہ گئی۔

"آپ یہ بیکار کام چھوڑیئے گھر میں آؤ تو اتنا بھی نصیب نہیں ہوتا کہ سکون سے بیٹھ ہی سکوں۔ ہر وقت آرام ہی فرماتی رہتی ہیں۔ بیگم صاحبہ۔۔۔ بھائی کو یا زبردستی کی مصیبت میرے ہی سر منڈھنی رہ گئی تھی۔ کوئی اور تو ملا ہی نہ ہو گا۔" ریحان کہہ رہا تھا۔ سخت بیزاری کے عالم میں اپنی ازدواجی زندگی میں پہلی بار یہ نیا انکشاف کیا تھا۔

دل میں اٹھتی ٹیسوں کو دبائے وہ اسے دیکھتی رہ گئی۔ پھر وہ تیز تیز قدم اٹھاتا اندر چلا گیا تو وہ اپنا کام چھوڑ کر سیدھی باورچی خانے میں پہنچی۔ چائے تیار ہی تھی۔ ملازم کے بجائے خود چائے کی ٹرالی لے کر ریحان کے کمرے کا رخ کیا۔ وہ لباس تبدیل کر کے اپنے بستر پر بیٹھا سگریٹ پی رہا تھا بیرونی کھڑکیوں کے شیشوں سے چھنتی ہوئی ہلکی ہلکی دھوپ میں اس کا وجیہہ چہرہ عجیب سی جاذبیت لیے چمک رہا تھا۔ کس قدر معصومیت اور بھولپن تھا اس جاذب سے چہرے پر کوئی دیکھ کر یقین بھی نہیں کر سکتا کہ دل کا وہ اس قدر کھوٹا ہے۔ پر وہ ہنا کر وہ ٹرالی لیے اندر داخل ہوئی۔۔۔ نادانستگی میں ریحان کی نظر اس پر پڑی تو گڑ سی گئی۔

"آج یہ کیا نئی بات ہو گئی۔ مجھے جاہل عورتوں کی طرح یہ خدمت گزاری ذرا پسند نہیں۔" نگاہوں میں ایک عجیب سی لپک تھی اور زبان پر یہ زہر فشانی۔

نعمانہ کے قدم جہاں تھے وہیں رک گئے۔ بڑی بے بسی سے اس نے اس کی طرف دیکھا۔ نگاہوں کا تصادم ہوا۔۔۔ ریحان کو اپنے دل میں کوئی چیز کھٹکتی سی محسوس ہوئی۔ جلدی سے نظریں چرا کر بولا۔

"خیر اب لائی ہیں تو پی لیتا ہوں۔ لایئے ادھر لگا دیجیے میں خود چائے بناؤں گا۔"

پھر اس نے اس کی طرف کچھ ایسی نظروں سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کہ اب آپ جا سکتی ہیں۔

مگر وہ پھر بھی کھڑی رہی۔ آج تو وہ تہیہ کر کے آئی تھی کہ وہ آج اس کی زیادتیوں کی وجہ اس سے پوچھ کر ہی رہے گی اور یہ تہیہ اس نے تھوڑی دیر پہلے اس کے اس انکشاف پر وہ زبردستی اس کے سر منڈھی گئی ہے کیا تھا۔ آخر کوئی حد بھی ہوتی ہے کسی بات کی۔ زندگی کی یہ گاڑی آخر کس طرح آگے چلے گی۔ اس کا کچھ تصفیہ تو ہونا چاہیے۔ یہی سوچ کر وہ اپنے اندر اس سے بات کرنے کی جرات پیدا کر کے آئی تھی۔ ریحان اپنی مخصوص بے نیازی سے چہرہ جھکائے چائے بنا رہا تھا۔ اس کی موجودگی کو اس نے جان کر نظر انداز کر دیا تھا مگر جب اس نے دیکھا کہ وہ جاتی ہی نہیں تو سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ سٹپٹا کر رہ گئی۔

"کیا بات ہے؟" بڑے بیزار لہجے میں سوال کیا گیا۔

"وہ۔۔۔ وہ میں یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ مجھے آپ سے چند ضروری باتیں کرنی ہیں۔" نعمانہ نے دل کڑا کر کے کہنا چاہا مگر اس کوشش میں آنکھیں چھلک پڑیں۔

"بات کرنے سے پہلے آنسو بہانا شروع کر دیتی ہیں۔ چلی جایئے میرے پاس فالتو باتیں سننے کا وقت نہیں۔" ریحان ابھی اسی قدر کہہ پایا تھا کہ آفاق پردہ سرکا کر اندر داخل ہوئے اور نعمانہ کو وہاں کھڑا دیکھ کر الٹے پیروں واپس جاتے ہوئے بولے۔

"اوہ معاف کرنا بھئی! میں خواہ مخواہ مخل ہوا۔ دراصل مجھے معلوم نہ تھا کہ بھابھی یہاں موجود ہوں گی۔" تو ریحان ہنستے ہوئے بولا۔

"ارے بھئی آؤ۔۔۔ آؤ۔۔۔ کوئی ایسی خاص بات

UrduPhoto.com

نہیں، میں خود ان سے کہہ رہا تھا کہ دور کیوں کھڑی ہیں میرے پاس آکر بیٹھیں۔"

ریحان کی بات پر اس کے دل میں درد کی ایک شدید لہر اٹھی۔ آفاق واپس آگئے اور نعمانہ پر ایک نظر ڈال کر بولے۔

"خدا رحم کرے بھابھی کے تیور آج ــــ"

مگر ریحان نے انہیں بولنے کا موقع ہی نہ دیا۔

"دراصل تمہاری بھابھی ہم سے بہت خفا ہیں آج میکے نہیں جا سکیں نا۔ اب اس میں میرا کیا قصور کہ گھر کے فون میں خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ میں نے تم سے کہا تھا نا۔" ریحان نے اپنے جھوٹ کو جس طرح نبھایا۔ ہر بات سے لاعلم نعمانہ حیران رہ گئی۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ پنڈی میں تو اس کا کوئی بھی عزیز نہ تھا اور جب اس کی متعجب نگاہیں آفاق کی طرف اٹھیں تو ان کی ناقابل فہم مسکراہٹ نے اسے ہراساں کر کے رکھ دیا۔ اسے یہ خدشہ ہوا کہ آفاق نے ریحان کی گفتگو نہ سن لی ہو۔

"آج غصے میں انہوں نے لباس تک تبدیل نہیں کیا۔ اچھا طریقہ ہے احتجاج کا۔" ریحان نے اب تک اسے کھڑا دیکھ کر بڑی شگفتگی سے کہا تو اسے اپنے حلیے کا خیال آیا۔

"کوئی مضائقہ نہیں۔ یہ یونہی اچھی لگ رہی ہیں۔" آفاق نے اس کی طرف سراہتی نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"اچھا حضور! اب میری خطا معاف کر دیجیے۔ آئندہ ایسی غلطی نہیں ہوگی اور ذرا جلدی سے تیار ہو جائیے۔" ریحان نے ہنس کر کہا۔ وہ جلدی سے باہر نکل گئی پھر آفاق بڑی دیر تک ریحان کے کمرے میں بیٹھے رہے مگر انہوں نے نہ نعمانہ کو بلانے کی خواہش ظاہر کی اور نہ وہ خود آئی۔

دوسرے دن صبح اس کے آفس جانے تک وہ باہر نہ نکلی۔ ملازم ناشتہ لگنے کی اطلاع دینے گیا تو دروازہ اندر سے بند تھا۔ ریحان جا چکا تھا اور نہ بھی جاتا تو ملازم سے بھی اس کے بارے میں نہ پوچھتا۔

نعمانہ تمام رات جاگنے اور آنسو بہانے کی وجہ سے بخار میں تپ رہی تھی۔ جب ملازم کھانے کی ہدایات لینے آیا تو اس نے اسپرو کی گولیاں منگوا کر چائے کے ساتھ کھا لیں۔ دل تو چاہ رہا تھا کہ بخار اتنا بڑھے کہ مرض موت بن کر رہ جائے لیکن دوپہر تک پسینہ آنے کی وجہ سے بخار کم ہو گیا۔ اف مصیبت زدہ لوگ کتنے سخت جان ہوتے ہیں۔ بخار میں کمی دیکھ کر اس نے مایوس ہو کر سوچا۔

اب تو ریحان کی سرد مہری، بے اعتنائی اور زیادتیوں نے اس سے جینے کی لگن بھی چھین لی تھی۔ اس پر یہ خیال کہ آفاق نے ان کی گفتگو ضرور سنی ہوگی۔ ان کی نظروں میں بھی اس شخص نے مجھے گرا دیا۔ جینے کی ہر خواہش کو ختم کرتا چلا گیا۔

ریحان آفس سے آیا تو ملازم کی زبانی اسے اس کی علالت کی خبر ہوئی پھر بھی وہ اسے دیکھنے نہیں گیا بلکہ آرام سے غسل وغیرہ کر کے چائے پینے بیٹھ گیا۔ اسی شش و پنج میں کہ اسے دیکھنے جائے یا نہیں۔

دراصل وہ ان مردوں میں سے تھا جو اپنی ضد اور انا میں اپنے نفس کو بھی مار مار کر رکھتے ہیں۔ ایسے مرد فطرتاً "سرکش، اکھڑ اور سخت دل ہوتے ہیں۔ احساس برتری میں چور چور ریحان کی بھی کچھ ایسی ہی فطرت تھی۔ اس پر لاشعور میں بسی عورت ذات سے نفرت، پھر وہ حالات جن میں اس کا نعمانہ سے تعارف ہوا تھا اور وہ مذاق جو بات کا بتنگڑ بن گئے تھے۔

کبھی کبھی ریحان یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا کہ اس رشتے سے فائدہ کیا ہے اور کب تک یہ سلسلہ چل سکے گا۔ اس کا بھی جی چاہتا کہ اس سے بات کرے ہنسے بولے مگر یہ خدشہ کہ وہ اس سے اس طرح پیش نہ آئے گی جیسے وہ چاہتا ہے پھر اکڑ وہی انا سامنے آجاتی تو دل کی اس خواہش کو دل ہی میں دبا لیتا پھر ازدواجی زندگی کا ذرا تجربہ نہ تھا۔ اس کے خیال میں نعمانہ کو پہل کرنی چاہیے تھی حالانکہ یہ صریحاً ناانصافی تھی۔ نعمانہ کو اس نے اتنی جرأت ہی کب دی تھی۔ جب یہ اندازہ لگانے سے بھی قاصر ہو گیا کہ

وہ کیوں اتنی خاموشی سے اس کی زیادتیاں سہہ رہی ہے تو اس سے اور بھی بیزار ہو گیا تو بھابھی اور بھیا کا لحاظ مانع نہ ہوتا تو کب کا اس جھنجھٹ سے نجات پا چکا ہوتا۔ بھابھی کے ہر خط میں کوئی نہ کوئی نصیحت ضرور ہوتی۔

چائے پی کر ریحان لان میں آبیٹھے۔ کچھ ہی دیر بعد وہ سفید کاٹن کے سوٹ میں ملبوس آتی نظر آئی۔ اس کا رخ ان ہی کی طرف تھا۔ ایک کلائی پر گھڑی بندھی تھی اور دوسری میں سونے کی باریک چوڑیاں تھیں۔ ناک میں دمکتی ہیرے کی نازک سی کیل اور کانوں میں ہیرے کے چھوٹے چھوٹے ٹاپس، سفید پرس، سفید سینڈل، غضب کی میچنگ کی تھی اس نے۔ اس کی نظریں اس پر جمی رہ گئیں۔ چہرہ ستا ستا سا تھا مگر اس ستے ستے چہرے میں بھی غضب کا نکھار تھا۔ ہاتھ میں پرس کی موجودگی اس کے کہیں باہر جانے کے ارادے کو ظاہر کر رہی تھی۔ شاید ڈاکٹر کے یہاں جا رہی ہو۔ اس نے دل میں سوچا۔ وہ اس کے قریب رک کر سامنے گل پوش پودوں پر نظریں جما کر بولی۔

"میں ذرا بازار تک جا رہی ہوں۔" یہ پہلا موقع تھا کہ وہ اس سے کہیں جانے کی اجازت لے رہی تھی۔ آج تک تو کبھی بازار جانے کی ضرورت نہیں پیش آئی پھر کیا خاص بات ہو گئی آج۔ کہیں کوئی اور پروگرام تو نہیں۔ دل میں شکوک سے ابھرے۔ کچھ سوچ کر بولا۔

"اچھا چلی جائیے مگر تنہا کیسے جائیں گی؟"

"زیادہ دور نہیں جانا۔ درزی سے کپڑے لینے ہیں اور ایک دو چیزیں خریدنی ہیں۔" نعمانہ نے آہستہ سے کہا۔

"اچھا تو چلیے۔ میں آپ کو ڈراپ کر دوں گا۔" ریحان نے بڑی اپنائیت سے کام لیتے ہوئے اٹھ کر کہا۔ وہ چپ چاپ کار میں بیٹھ گئی اور وہ خاموشی سے اسے درزی کی دکان پر چھوڑ کر چلا آیا۔

اسے گئے دو گھنٹے سے زیادہ وقت گزر گیا۔ رات پڑنے لگی تھی اور ریحان اس کے انتظار میں بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ اپنی غلطی کا بھی احساس تھا اگر وہ وہیں رک گیا ہوتا تو وہ اپنے کاموں سے فارغ ہو کر ان کے ساتھ ہی واپس آجاتی۔ تبھی آفاق کی جیپ گیٹ میں داخل ہوتی نظر آئی۔ ریحان لپک کر ان کے پاس پہنچا تو سب سے پہلے نعمانہ پر نظر پڑی جو اگلی سیٹ پر ان کے ساتھ بیٹھی تھی۔ یہ دیکھ کر ریحان کو اپنے جسم میں ایک گھٹن کا سا احساس ہوا۔

"لو بھئی اپنی امانت سنبھالو...... یہ بھابھی۔" آفاق کی بات قطع کر کے ریحان نے جھنجھلاتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"لیکن یہ تمہیں کیسے مل گئیں؟ یہ تو بازار گئی تھیں۔"

"بس مل ہی گئیں۔ دل سے دل کو راہ ہوتی ہے نا۔ یہ سواری کے انتظار میں پریشان کھڑی تھیں کہ اتفاق سے میرا گزر وہاں سے ہو گیا۔" آفاق نے بڑی لاپروائی سے ہنس کر بتایا۔ تو ریحان کو یوں محسوس ہوا جیسے انہوں نے کوئی بڑی بات کہہ دی ہو اور جب جیپ سے اتر کر اپنی چیزیں سنبھالنے کے بعد نعمانہ نے ایک عجیب سے انداز میں آفاق کا شکریہ ادا کیا تو ریحان کو اپنے دل میں کوئی چیز کھٹکتی سی محسوس ہوئی۔ آج تک نعمانہ نے کسی بات پر اس کا شکریہ ادا نہ کیا تھا۔ اس وقت بھی نہیں جب وہ اپنی آدھی تنخواہ اس کے ہاتھ پر رکھتا تھا۔

جب وہ اپنی چیزیں لے کر اس کی موجودگی کو نظر انداز کرتی اندر چلی گئی تو آفاق نے اسے فہمائشی نظروں سے گھورتے ہوئے پوچھا۔

"کیا تمہاری گاڑی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے ریحان؟"

"نہیں تو!" ریحان نے کچھ متعجب انداز میں کہا۔

"کاش ہو ہی جاتا۔" آفاق جیب سے لائٹر نکال کر سگریٹ سلگاتے ہوئے بولے۔

"کیوں بھئی خیر تو ہے۔ مجھ سے ایسی کیا خطا ہو گئی جو تم میری گاڑی کے درپے ہو گئے۔" ریحان نے

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com
UrduPhoto.com

پوچھا۔
"کیا تم بھابھی کو شاپنگ کرانے نہیں لے جاسکتے تھے، جو وہ بے چاری گھر کی سواری ہوتے ہوئے لاوارثوں کی طرح کرائے کی سواری کے انتظار میں پریشان کھڑی تھیں۔ وہ بھی ایسے ناوقت، پتا نہیں تمہاری یہ بے حسی کب ٹوٹے گی۔ بیوی تو گھر کی عزت ہوتی ہے۔" کس قدر پیار بھری خفگی سے آفاق ایک طرح اسے ملامت کر رہے تھے اور ریحان سر جھکائے کھڑا تھا۔ دل ہی دل میں اپنے دوست کی اپنائیت کی قائل ہو کر۔
"اسی لیے تو کہہ رہا تھا کہ جب تمہاری کار بھابھی کے استعمال کے لیے ممنوع ہے تو اس کا ایکسیڈنٹ ہی ہونا چاہیے تھا۔ ازدواجی زندگی کو اس قدر بے وقعتی اور بے حسی سے نہیں گزارا جاتا دوست! تم نہ جانے کب سمجھو گے اس کی اہمیت کو۔" ریحان کو خاموش سا دیکھ کر آفاق پھر بولے۔ انداز سمجھانے کا سا تھا۔ اپنی جھینپ مٹانے کو ریحان زور سے ہنس دیا۔
"بڑے سینٹی مینٹل ہو یار! میں تو خود انہیں چھوڑنے گیا تھا اور اب لینے ہی جا رہا تھا کہ تم ان کو لے کر آگئے۔ آؤ بیٹھو نا۔ یہاں بیٹھو گے یا ڈرائنگ روم میں؟" ریحان نے جس طریقے سے بات گھمائی تھی آفاق کو مزید کچھ کہنا مناسب نہ لگا۔
خاموشی سے لان میں جا کر بیٹھ گئے۔ تبھی نعمانہ ملازم کے ساتھ ٹھنڈے مشروب کے گلاس ٹرے میں رکھوائے وہیں آگئی۔
"ارے بھابھی زندہ باد۔ آپ نے تو دل میں ٹھنڈک ڈالنے کے سامان کر دیے۔ میں بھی ابھی یہی سوچ رہا تھا کہ کچھ ٹھنڈا پیوں۔" آفاق احتراماً کھڑے ہوتے ہوئے بولے۔
"دیکھیے آپ کی دلی خواہش کا پتا چل گیا۔ تشریف رکھیے۔" وہ ان کی بات پر خوش ہو کر انہیں بیٹھنے کی پیش کش کرتی ہوئی بولی اور خود بھی ایک کرسی پر بیٹھ گئی۔ ملازم نے ٹرے لان ٹیبل پر رکھ کر اس کے آگے رکھ دی اور وہ پلیٹ میں سے سرخ سرخ سیب اٹھا کر کاٹنے لگی۔
"لیجیے نا۔ گرم ہو گیا تو پھر کیا مزہ دے گا۔" نعمانہ نے مشروب کا گلاس ان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
آفاق نے جلدی سے اٹھ کر وہ گلاس اس کے ہاتھ سے لے لیا اور بڑی دل آویزی سے مسکرا کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ جواب میں وہ بھی مسکرا دی۔ ریحان کو اس نے جان کر نظرانداز کر دیا تھا۔ ریحان کو پہلی دفعہ اپنے دل میں رقابت کے شعلے سے بھڑکتے محسوس ہوئے لیکن دوستی کی خاطر ملحوظ تھی۔ دل پر جبر کیے بیٹھا رہا۔ آفاق نے ٹرے میں سے ایک گلاس اٹھا کر اسے تھما دیا۔
"گرم تو نہیں ہو گیا۔ برف منگواؤں؟" نعمانہ نے آفاق کو مخاطب کر کے پوچھا۔
"نہیں نہیں۔ بہت ٹھنڈا ہے۔ اس سے تو پیاسی روح بھی سیراب ہو جائے گی۔" آفاق نے کچھ اتنی شگفتگی سے کہا کہ وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔
"یہ بھی تو کھائیے نا۔ اس قدر تکلف سے کیوں کام لے رہے ہیں۔" نعمانہ نے سیب کی پلیٹ ان کی طرف بڑھا کر کہا۔
آفاق نے سیب کی قاش اٹھا کر ریحان کی طرف دیکھا۔
"تم کیوں خاموش بیٹھے ہو، ذرا اس بوریت کا کوئی تدارک تو کرو۔"
"تم ہی بتاؤ کوئی شغل تو ہونا ہی چاہیے۔" ریحان نے اترائے اترائے سے لہجے میں کہا۔
"تو اب یہ بھی میں ہی بتاؤں۔ تم آخر کس مرض کی دوا ہو۔ لے کے سارا دن ناس کرا دیا۔" آفاق گلہ آمیز لہجے میں بولا۔
"میں تو کب کا گھر آگیا تھا۔ تم خود ہی اب نکل کر آرہے ہو۔" ریحان رکھائی سے بولے۔
"ذرا تو مجھے فون کر کے کیوں نہ بتا دیا۔ کئی دن سے نوٹ کر رہا ہوں کہ تم کچھ کھوئے کھوئے سے رہتے ہو۔" آفاق نے آخری فقرہ ہنس کر کہا۔
"چلو خیر اب تو آگئے ہو۔ کل اتوار ہے نعمان سے سنڈے نائٹ منانا۔" ریحان نے ان کے آخری فقرے کو نظرانداز کر کے ذرا بشاشت سے کہا۔

"پھر باہر کیوں نہ چلا جائے۔ کیوں بھابھی۔" آفاق نے نعمانہ کی رائے لینی چاہی۔
"ان کو تو صبح سخت بخار تھا، شاید ہی جاسکیں۔" نعمانہ کے جواب دینے سے پہلے ریحان بول اٹھا۔
"ہائیں تو بھابھی کی طبیعت خراب ہے کیا؟ اسی لیے تم جلد آگئے ہو گے۔ کسی ڈاکٹر کو بھی دکھایا۔" آفاق بے چین ہو کر اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے بولے اور نعمانہ کی کلائی پکڑ کر نبض دیکھی پھر پیشانی کو چھوا۔ نعمانہ بری طرح گھبرا اٹھی۔
"نہیں نہیں بس معمولی حرارت ہو گئی تھی۔ اب تو ٹھیک ہوں۔" نعمانہ نے ان کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ چھڑا کر کہا۔
"واہ حرارت کیا اچھا خاصا بخار ہے آپ کو تو اور اس پر آپ یہاں اوس میں بیٹھی ہیں۔ کمال ہے ذرا بھی اپنا خیال نہیں۔ میرا مقولہ تو یہ ہے کہ انسان خود اپنے آپ کو بنائے رکھتا ہے تو دوسرے بھی اس کی قدر کرتے ہیں۔" آفاق واپس اپنی جگہ پر بیٹھتے ہوئے بولے۔ ان کے فقرے میں کیسی گہری چوٹ پوشیدہ تھی۔ ریحان جلدی سے اٹھا اور نعمانہ کے قریب آ کر تھوڑا سا جھک کر اس کی پیشانی چھو کر دیکھی اور پہلی بار اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھاتے ہوئے بولا۔
"چلیے اب آرام کیجیے۔ میں نے کتنا منع کیا کہ آپ کہیں نہ جائیں۔ آخر پھر بخار ہو گیا نا۔ بڑا پریشان کرتی ہیں آپ۔" اتنا کہہ کر اس نے زور سے اس کا ہاتھ دبا دیا اور اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہے۔ نعمانہ ہاتھ چھڑا کر اپنے کمرے کی طرف چل دی۔ اسے معلوم تھا کہ اس کے بظاہر لگاوٹ سے کہے گئے الفاظ کا کیا مطلب تھا۔ ریحان بھی اس کے ساتھ ساتھ اندر گیا، لیکن اس کے کمرے تک نہیں بلکہ ڈرائنگ روم سے تاش لینے اور جب وہ تاش لے کر واپس آفاق کے پاس آ کر بیٹھا تو ریحان بولا۔
"تو ڈرائنگ روم میں چلیں۔ یہاں روشنی ناکافی رہے گی۔"
"نہیں یار! اب تو اجازت دو۔ بھابھی اکیلی پڑی ہیں، تم اب ان کا دل بہلاؤ۔" آفاق اٹھتے ہوئے بولے۔
"یا تو کہہ رہے تھے کہ بور کر کے رکھ دیا یا اب ایک دم ہی رسیاں تڑوانے لگے۔" ریحان نے رواداری نبھائی۔
"بور تو کر کے رکھ ہی دیا تم نے، اسی لیے تو جا رہا ہوں۔ دیکھوں ذرا کلب میں کیا ہو رہا ہے۔" آفاق ہنس کر بولے۔
"کلب جانے کا ارادہ ہے تو میں بھی چلتا ہوں۔" ریحان نے کہا۔
"تم کیا کرو گے جا کر۔ بھابھی کے پاس جاؤ یہی تمہاری تفریح ہے، سمجھے۔" آفاق نے اس طرح کہا جیسے فہمائش کر رہے ہوں اور پھر اسی وقت چلے گئے۔

*_*_*

آفاق کی آمد و رفت اب بہت کم ہو گئی تھی۔ کبھی آتے بھی تو کھڑے کھڑے۔ ریحان روکتا ہی رہ جاتا مگر وہ کوئی نہ کوئی عذر کر کے چلے جاتے۔ نعمانہ اگر سامنے پڑتی تو ایک آدھ بات کر لیتے ورنہ اس کے متعلق پوچھتے اور نہ اسے بلاتے۔ یہی سب دیکھ کر ریحان دل ہی دل میں نادم ہوتا کہ خوامخواہ اس نے اپنے عزیز ترین دوست پر شک کیا مگر اتنا سوچنے کے باوجود دل میں بے شکوک نے بے اعتمادی کی جگہ لے لی تھی۔
اس روز کلب میں کوئی فنکشن تھا۔ ریحان کے کہنے پر وہ بلا چون و چراں جانے کے لیے تیار ہو گئی۔ ہمیشہ کی طرح سب نے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ خواتین سے زیادہ مرد نعمانہ میں دلچسپی لے رہے تھے اور آفاق ضرورت سے زیادہ بچھے چلے جا رہے تھے۔ وہ آج قیامت بھی تو ڈھا رہی تھی۔ سفید نفیس کام کی ساڑھی میں لپٹا ہوا سڈول جسم، اس پر ہیرے کا دمکتا ہوا نازک سا طلائی سیٹ، سفید پرس، سفید سینڈل۔ غرضیکہ سرتاپا سفید لباس میں اس کا گلابی جسم یوں لگ رہا تھا جیسے شفاف پانی میں کھلا کوئی نوشگفتہ کنول۔ جو دوست نظارہ کے پورے پورے سامان کر رہا تھا۔ آج تو ریحان بھی اس کے خوشنما حسن سے مرعوب نظر

آ رہا تھا اور خود بھی اپنی مردانہ وجاہت میں سج دھج کے ساتھ وہاں موجود ہر مرد سے ممتاز نظر آ رہا تھا۔ آفاق آج فوجی وردی میں آئے تھے۔ شاید اسی لیے خصوصیت سے جاذب نظر آ رہے تھے۔

کلب کے لان میں تھوڑا تھوڑا فاصلہ دے کر میز کرسیوں کے سیٹ لگائے گئے تھے۔ ریحان نعمانہ کے ساتھ نسبتاً ایک علیحدہ گوشے میں بیٹھ گیا۔ تھوڑی دیر بعد احتشام اور آفاق بھی آ بیٹھے اور ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں۔ آفاق کی نظریں بار بار نعمانہ پر پڑ رہی تھیں۔ گو براہ راست وہ اس سے مخاطب نہ تھے۔ احتشام کہہ رہے تھے۔

"یہ صفدر بھی وقت کی پابندی نہیں کرتا۔ دیکھا اب تک آیا نہیں۔"

"ہاں مگر رضا اور آصف بھی کہیں نظر آ رہے۔" آفاق بولے۔

"ہم میں یہ کمی ہے، یہاں وقت کی پابندی کیوں نہیں کی جاتی۔ حالانکہ ترقی کے لیے وقت کی پابندی کو سب سے زیادہ دخل ہے۔" نعمانہ نے بھی اب گفتگو میں حصہ لیا۔

"دیکھیے سب المیوں کی طرح یہ بھی ایک المیہ ہے۔" احتشام متاسف انداز میں بولے۔

"شکر ہے فوج میں ڈسپلن کو مقدم رکھا جاتا ہے۔" آفاق فخریہ بولے۔

"آف کورس، اسی لیے تو مجھے فوجی لائف بہت پسند ہے۔" نعمانہ نے سراہنے والے انداز میں کہا۔

"لو بھائی سن لو ریحان! بلکہ فوراً فوج میں بھرتی ہونے کی درخواست دے دو [illegible] بھرتی ہونے [illegible] رنگروٹ یہاں [illegible] ہے پرانا ہوتا وہاں [illegible] بھرتی [illegible]" احتشام نے [illegible] تیزی سے کہا تو نعمانہ کو بے ساختہ ہنسی آ گئی۔

"تب تو تم فوراً قسمت آزمائی کرو۔ [illegible] جائے گا۔" ریحان نے مسکرا کر بات لوٹائی۔ نعمانہ اور آفاق ہنسنے لگے۔

"لو وہ نازل ہو گئے سب کے سب۔ ذرا ان کی خیریت تو پوچھ لوں۔" احتشام نے صفدر ان کی بیگم رضا اور آصف کو آتے دیکھا تو اٹھتے ہوئے بولے۔

"چلو میں بھی چلتا ہوں۔ اب کل آ گئے ہیں۔" ریحان نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"ہوں [illegible] چکر میں۔" آفاق بولے لیکن دانستہ وہ بیٹھے رہ گئے۔ ریحان کے چلے جانے کے بعد انہوں نے نعمانہ کو سراہتی نظروں سے دیکھ کر کہا۔ "آپ کی جتنی تعریف کروں کم ہے۔ کیا آپ کو واقعی فوجی پسند ہیں۔"

"تعریف کرنے کا شکریہ۔ فوجی مجھے بچپن سے پسند ہیں۔" نعمانہ خوش دلی سے بولی۔

"پھر تو مجھے اپنی خوش نصیبی پر بھی فخر کرنا چاہیے۔" آفاق نے اس کی نظروں میں جھانکتے ہوئے کہا تو اس نے نگاہیں جھکا لیں۔ وہ ہمیشہ کی طرح ان کی نظروں سے کترا رہی ہے یہ جان لینا آفاق کو مشکل نہ ہوا۔

"کئی دن سے سوچ رہی تھی کہ آپ سے پوچھوں، آپ نے آنا جانا کیوں کم کر دیا ہے؟" نعمانہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بھابی!" آفاق کچھ عاجزانہ لہجے میں بولے۔ "آپ کب تک ٹالتی رہیں گی۔ کم از کم اپنے ساتھ مجھے تو [illegible] کیجیے۔" آفاق کہہ رہے تھے اور ریحان کے بڑھتے قدم گل پوش جھاڑیوں کے پیچھے ہی رک گئے۔

"بتائیے نا، میری بات کا جواب دیجیے، پلیز بھابی [illegible] میں مجسم شوق ہوں۔" آفاق کی التجا اصرار میں بدل گئی۔

"[illegible] کے سوال کا جواب دینا میرے لیے [illegible] مشکل ہے۔" نعمانہ کی دبی دبی سی آواز آئی۔

"مشکل ہے ناممکن تو نہیں اور ایسا کیا مشکل ہے جو آپ کے لیے اپنے دل میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔" آفاق کے لہجے میں درد مندی سی جھلک رہی تھی۔ وہ [illegible] رہی۔

UrduPhoto.com

"اور کچھ نہیں تو تھوڑی سی روشنی ہی ڈال دیجیے۔ خدارا کچھ تو کہیے۔" آفاق نے اصرار کیا۔

"ہوں بس یوں سمجھ لیجیے۔" کچھ دیر وہ اپنا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبائے کچھ سوچتی رہی۔ کیسی قاتل ادا تھی ہونٹ دبانے کی۔ دل میں اٹھتی طوفانی سی لہر کو آفاق نے بات سننے کے شوق میں دبا لیا۔

"تو سنیے۔

اچھا نہیں ہے یوں دل سوزاں کو چھیڑنا
جلتے ہوئے چراغوں سے کھیلا نہ کیجیے

آفاق صاحب! آپ کے دلی جذبات کی دل سے قدر کرتی ہوں مگر... مگر اس بات کو نہ بھولیے کہ میں آپ کے عزیز ترین دوست کی امانت ہوں اور میری ناکام زندگی کے بارے میں بھی مجھ سے کچھ پوچھنا خیانت کے مترادف ہے۔" نعمانہ نے بڑے کرب سے مسکراتی نیچی آواز میں کہا کہ ریحان آخری فقرہ تو بالکل ہی نہ سن سکا مگر اس کے لیے اسی قدر کافی تھا۔ نعمانہ اپنی بات کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی اور آفاق لٹے لٹے سے خاموش بیٹھے رہ گئے لیکن ریحان کو اپنے جسم میں سوئیاں سی چبھتی محسوس ہو رہی تھیں۔

یوں تو نوبت یہ آ پہنچی کہ شعر و شاعری میں دلی جذبات کا اظہار کیا جانے لگا۔ منہ سے اعتراف بھی [illegible] ریحان ہوشیار، تمہارے حق پر کوئی دوسرا قبضہ جما رہا ہے۔ کسی آواز نے ریحان کے کان میں سرگوشی کی۔ ریحان کے اندر حسد و رقابت کی چنگاریاں سی سلگنے لگیں۔ پہلے صرف شک ہی تھا، اب یقین ہو گیا۔ موڈ ایسا بگڑا کہ بڑی دیر تک وہ وہیں کھڑا سگریٹ پیتا رہا۔ اندر ہال میں ڈنر شروع ہو چکا تھا۔ وہ بھی سگریٹ پھینک کر ہال کی طرف چلا تو برآمدے میں آفاق کو اپنا منتظر ٹہلتے پایا۔

"کہاں غائب ہو گئے تھے تم، تمہارے انتظار میں کتنی دیر سے بھوک کو بہلا رہا ہوں۔" آفاق نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر کہا اور ان کے اتنے خلوص پر چاہنے کے باوجود ریحان بے رخی نہ برت سکا۔ ان کے ساتھ ساتھ ہال میں پہنچا تو دیکھا وہ بیگم صفدر وغیرہ کے ساتھ کھڑی کھانا کھا رہی ہے۔ اس کے پاس جا کر ریحان بڑے گلہ آمیز لہجے میں بولا۔

"ہمارا انتظار بھی نہ کیا اور کھانا شروع کر دیا۔"

نعمانہ ان ظاہرداریوں کی عادی تھی۔ سب کی موجودگی کا لحاظ کر کے وہ بولی۔

"انتظار تو کیا تھا مگر آپ ہی نہیں۔"

"اچھا تو لائیے یہ پلیٹ مجھے دے دیجیے۔ مزا تو اس میں کھا کر آئے گا۔" ریحان نے پلیٹ اس کے ہاتھ سے لے کر بڑی لگاوٹ سے کہا۔ وہ کچھ حیران سی انہیں دیکھتی رہ گئی۔

"اپنا جھوٹا پانی بھی پلا دیجیے بھابی! یقیناً ان کے لیے آب حیات [illegible] ہو گا۔" احتشام نے فقرہ کسا۔

"ہاں ہاں ضرور مگر پہلے یہ طعام حیات تو نوش جان کر لوں۔" ریحان نے بڑی برجستگی سے کہا تو سب ہنسنے لگے۔ اپنی اہمیت خصوصاً آفاق پر جتانے کے لیے ریحان نے جھک کر آہستہ سے نعمانہ کے کان میں کہا۔

"ایک نوالہ اپنے ہاتھ سے بنا کر کھلا دیجیے۔" آفاق قریب ہی کھڑے تھے مگر آصف کی باتوں میں مصروف تھے اس لیے انہوں نے سنا نہیں۔

"اللہ ریحان بھائی بھابی کے بغیر آپ آفس کیسے اٹینڈ کرتے ہوں گے۔" بیگم صفدر نے شوخی سے فقرہ کسا۔

"وہ ہمیں کھلا دیتے ہیں کسی نہ کسی طرح۔" ریحان نے نوالہ منہ میں رکھ کر کہا۔

"کسی نہ کسی طرح کیا، ہر پانچ منٹ کے بعد فون پر بھابی سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔" آفاق نے پیچھے سے نمودار ہو کر کہا۔ گو یہ بات انہوں نے بڑی خوش دلی سے کہی تھی لیکن ریحان کو اس میں بھی ایک طنز سا چھپا محسوس ہوا۔ اس پر نعمانہ نے اپنی پلیٹ لے کر منہ دوسری طرف پھیرا تو ریحان کو اپنے حلق میں نوالہ پھنستا محسوس ہوا۔

"یوں لگتا ہے کہ بھابھی کو اپنے حسن کا احساس ہے تب ہی تو وہ یوں خاموش رہتی ہیں۔" ریحان کے ایک دوست ریاض کی بیوی نے ہنس کر کہا۔

"ہونا بھی چاہیے۔ حسن کوئی ایسی معمولی شے تو نہیں جسے ہر ایک آسانی سے حاصل کر لے۔" آفاق نے جھٹ سے جواب دیا۔

"یہ ہر بات میں آپ کیوں انٹرپیٹر کے فرائض انجام دیتے ہیں آفاق بھائی۔!" بیگم صفدر نے آفاق کو چھیڑا۔

"ان کا لفٹ ہاف جو ہوں۔" آفاق نے ریحان کی طرف اشارہ کر کے برجستہ کہا تو ایک قہقہہ پڑا۔

"یہ اپنی بیوی کو تو ڈ گڈگی بنا کر رکھ دیں گے، دیکھ لینا۔" صفدر نے بھی آفاق پر چوٹ کی۔

"اور یہ تم دونوں میاں بیوی نے ڈوئٹ میں میرے خلاف محاذ کیوں قائم کیا ہے۔" آفاق نے ہنس کر پوچھا۔

"خدا کرے آفاق بھائی کی بیوی بھی ان کی طرح چلبلی فطرت کی ہو اگر کوئی سیدھی سادی ہوئی تو یہ اس کا ناک میں دم کر دیں گے۔" بیگم ریاض نے آفاق کو تاکا۔

"دراصل ریاض نے آپ سے شادی کرنے میں پہل کر لی ورنہ ہماری فطرتوں میں کس قدر مطابقت ہوتی۔" آفاق کسی سے ہار مانتے۔ ایک قہقہہ پڑا اور بیگم ریاض کٹ کر رہ گئیں۔

"میری بیوی پر تو رحم کرو۔" ریاض نے ہنس کر کہا اور ریحان کو ان کی بات بہت ہی بے تمیزی لگی۔

"جی آپ نے مجھ سے کچھ کہا۔" آفاق نے انجان بن کر ریاض سے پوچھا۔ اس پر پھر سب ہنسنے لگے اور بڑے خوش گوار ماحول میں کھانا ختم ہوا۔

کچھ پروفیشنلز اپنے ہو گئے۔ ڈنر کے بعد انہوں نے اپنے آئیٹمز پیش کیے۔ رات گئے محفل ختم ہوئی، سب لوگ اپنے اپنے گھر سدھارے۔ ریحان گھر پہنچا تو اس کی بے کلی اتنی بڑھی کہ سگریٹ پھونکتے اور کروٹیں بدلتے انگاروں پر لوٹنے کے مصداق اس نے رات جاگ کر گزاری۔ تمام راستہ عجیب سی ناگوار دھڑکنوں اور فضول خیالوں کے درمیان طے ہوا تھا۔ کلب سے واپسی پر جب وہ اگلی سیٹ پر اس کے قریب خاموش بیٹھی تو تکدر کی بدلیاں سی اس کے دل پر چھائی ہوئی تھیں اور اس کا بے پایاں حسن بڑا فتنہ پرداز لگ رہا تھا وہ کس قدر گھنی اور خطرناک ہے۔ ہماری قابل فخر دوستی پر نقب مارنے کی کوشش کر رہی ہے، سمجھ رہی تھی۔

"آپ کے دلی جذبات کی دل سے قدر کرتی ہوں آفاق صاحب۔!" اور یہ آفاق، مجھے اس سے یہ توقع نہ تھی کہ وہ میرے ہی قلب میں خنجر بھونکے گا۔

سب سے بڑھ کر ریحان کو اس بات کا رنج تھا کہ آفاق نے اس کی اور نعمانہ کی بے تعلقی اور کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر دوستی کے اس مقدس اور پاکیزہ جذبے کو بھی مجروح کر دیا جس پر کبھی اسے بڑا ناز تھا۔

نہ جانے کیا بات تھی کہ کوشش کے باوجود ریحان نعمانہ کو یہ نہ جتا سکا کہ آفاق اور اس کے تعلقات کا اسے علم ہے بلکہ اس نے اس سلسلے میں فہمائش یا ملامت کے طور پر ایک لفظ بھی اسے نہ کہا، البتہ اپنے رویے میں کچھ زیادہ ہی سختی اختیار کر لی۔ کھانے کے کمرے کے بجائے اپنے کمرے میں ناشتا اور کھانا منگواتا، تیار ہو کر چپکے سے آفس کھسک جاتا اور وہاں سے بھی دیر سے اور کبھی رات گئے واپس آتا، وقت پر کبھی آتا اور اس سے اتفاقیہ سامنا ہو جاتا تو کترا کر یوں نکل جاتا جیسے دیکھا ہی نہ ہو۔ وہ یہ سب دیکھ اور محسوس کر رہی تھی۔ گو ان سب باتوں اور زیادتیوں کی عادی ہو گئی تھی۔ بے چاری مشرقی لڑکی جسے اپنے احساسات سے زیادہ اپنی روایات اور خودداری کا پاس تھا، جواب تک ایک امید موہوم پر اس کی ہر سخت سست برداشت کرتی رہی تھی اور یہ اتنی سخت خاموش سزا جھیلتی آ رہی تھی حالانکہ اس کی بے جا روش پر دل کھٹا ضرور ہو گیا تھا مگر اس دل میں بسی اس کی محبت سے دستبردار ہونا جیتے جی اسے گوارا نہ تھا۔ نہ جانے کہاں پڑھا یا سنا تھا کہ سچی محبت رنگ لا کر رہتی ہے جذبہ صادق ہو تو

محبوب کا دل کسی نہ کسی دن ضرور جیت لیا جاتا ہے، اس پر وہ اس کا شوہر تھا اور ایک اٹوٹ بندھن میں وہ اس سے بندھی تھی، مزاج میں انانیت اور خودداری بہت تھی، تب ہی تو اتنی بڑی بات کی سمائی دل پر زخم کھا کھا کر رہی تھی۔ بھابھی کے خط آتے تو وہ دل سے تراش تراش کر ایسے جملے لکھ دیتی کہ بھابھی اس کی طرف سے مطمئن ہو جاتیں، ماں کو ہمیشہ یہی اطمینان دلاتی کہ وہ بہت خوش و خرم ہے۔ بھابھی تو جانے کتنی مرتبہ پھیرا لگا چکی ہوتیں مگر وہ ایسی حالت میں تھیں کہ ان کا بار بار سفر کرنا خطرے سے خالی نہیں تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

آفاق چند دنوں کے لیے کسی خفیہ مشن پر کہیں گئے ہوئے تھے۔ نعمانہ کو ان سے حد درجے انسیت ہو گئی تھی گو وہ غیر تھے مگر دونوں کی فطرتوں میں مطابقت تھی۔ مزاج میں یکسانیت، اس پر آفاق کا اپنائیت بھرا دوستانہ رویہ اس کی طرف داری میں بولنا اور حد درجہ اس کا خیال رکھنا اور سب سے بڑھ کر نگاہوں سے برستے وہ پیغام جن کا مفہوم وہ اچھی طرح سمجھتی تھی مگر اتنی بے باک فطرت رکھتے ہوئے بھی انہوں نے کبھی تہذیب و اخلاق کے دائرے سے باہر نکلنے کی کوشش نہ کی تھی۔ اپنے اس اجنبی اجنبی سے ماحول میں وہی اس کو اپنے ہمدرد اور غمگسار نظر آتے تھے پھر ان کے جانے سے وہ کیوں نہ اداس ہوتی۔ پھر اس روز جن الفاظ میں اس نے آفاق کی حوصلہ شکنی کی تھی اس پر رویے میں ذرا سی بھی تبدیلی نہیں آئی تھی، ان باتوں نے اس کے دل میں ان کا احترام کچھ زیادہ ہی بڑھا دیا تھا۔ آفاق آ جاتے تھے تو وقتی طور پر اس کی زندگی کا جمود کچھ ٹوٹتا نظر آتا تھا ورنہ وہ ہولی اور ڈسنے والی تنہائیاں ریحان کے سامنے اس کی حیثیت گھر کے ملازم حمید سے بھی کم تر تھی۔ حمید سے ریحان کبھی جس کر بات تو کر لیا کرتا تھا۔

آفاق گئے تو اپنی سحر کار شخصیت کا ایک گہرا نقش اس کے دل پر چھوڑ گئے وہ ان کی یادوں کو لاکھ جھٹکنے کی کوشش کرتی لیکن ہر پھر کر ان کا خیال اس کے دل و دماغ پر احاطہ سا کر لیتا۔ ریحان اپنی ضد اور انا میں یہ بات بھول گیا تھا کہ نعمانہ سے اس کی اتنی لاتعلقی اور زیادتی اس کے لیے ترغیب کا باعث بن سکتی تھی، وہ بھی ان حالات میں جب کہ مایوسیوں کے اندھیرے میں ایک دوسرے... خوبصورت شائستہ اور دل پسند انسان جو بہت سی باتوں میں ریحان سے بھی ممتاز نظر آتا تھا اور اس کی طرف دل سے مائل تھا، روشنی کی کرن بن کر آیا تھا۔ حسن ہو، شباب ہو، تعلیم اور حیثیت ہو، اور سب سے بڑھ کر آزادی، نصیب ہو تو بے راہ روی کے اس پر آشوب دور میں مضبوط سے مضبوط کردار کا انسان لغزش کھا جاتا ہے۔

مگر خود اپنے کیے پر شرمندہ قائل ہونے کے بجائے ریحان اپنی لگائی ہوئی آگ میں جل رہا تھا۔ پتا نہیں اپنی مایوسی اور اس زندگی کو بہلانے کے لیے یا پھر کسی اور وجہ سے ان دنوں وہ نغمے گنگناتی رہتی۔ ریحان کے خیال میں وہ آفاق سے بچھڑنے کے رنج کا ایک اظہار ہوتے تھے۔ اپنی دانست میں وہ بڑے صبر و ضبط اور مروت سے اس کی ان کج ادائیوں کو برداشت کر رہا تھا۔ ریحان کا دل کہیں لوہے کا تھام ٹکڑا تھا۔ کیونکہ پتھر کو تو توڑا پھوڑا بھی جا سکتا ہے۔

پورے تین ہفتے بعد آفاق آئے تو ریحان سے ملنے چلے آئے۔ اپنے ساتھ وہ کئی سوغاتیں لائے تھے۔ ریحان کے لیے شینل کے سینٹ کی خوبصورت بوتل اور پل اور نعمانہ کے لیے بیڈورک کی نفیس ساڑھی ایک قیمتی سواتی ہار رومال، چوڑیاں اور نہ جانے کیا الم غلم۔

نعمانہ ان کی لائی ہوئی چیزوں کو پا کر پھولے نہیں سما رہی تھی۔ بار بار تشکر کے طور پر کوئی فقرہ کہہ دیتی۔

"ذرا پہن کر تو دکھایئے بھابھی! پتا تو چلے کہ ہماری چوائس کیسی ہے۔" آفاق نے اس کے خوش ہونے پر تقاضا کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری چوائس کے کیا کہنے کتنی اچھی ہے کہ قیمت اور کوالٹی بھی نہیں دیکھی۔" ریحان نے مصنوعی شگفتگی سے ذو معنی بات کہی جس کا مفہوم

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com
UrduPhoto.com

آفاق ہی سمجھ سکے۔ پھر بھی اپنی ضد پر اڑے رہے کہ ساڑھی اور ہار پہن کر دکھاؤ" اسے مجبوراً" ان کی بات ماننی پڑی۔ کچھ ہی دیر بعد وہ ساڑھی اور ہار پہن کر آئی تو۔۔۔

"واہ بیگم صاحبہ واہ! سبحان اللہ، ذرا اپنی نظر اتار دو آج۔" آفاق سے پہلے ریحان اس خیال سے بولا کہ کہیں اس کی خاموشی آفاق کو بے باک نہ کر دے۔

"واقعی۔ آپ تو کسی دوسری دنیا کی مخلوق لگ رہی ہیں بھابی! حسن ہو تو ایسا ہو کہ ہر رنگ میں چمکے۔" آفاق پسندیدہ اور محبت بھری نظروں سے اسے تکتے ہوئے کہہ گئے۔

"دوسری دنیا کی مخلوق نہ کہیں تو بہتر ہے آفاق بھائی! اپنا ہے۔ آج کل کے سائنس دانوں کی نظروں میں دوسری دنیا کی مخلوق کس قدر بدہیئت ہوتی ہے۔" نعمانہ نے کھلکھلا کر کہا تو آفاق ہنسنے لگے۔

"میں نے اس خیال سے نہیں کہا تھا، میرا اشارہ ملکوتی مخلوق کی طرف تھا۔" آفاق نے فوراً" اپنی بات سنبھالی اس گفتگو پر ریحان دل ہی دل میں غصے سے جز بز ہو رہا تھا مگر شاباش ہے پختہ مزاجی کو کہ ماتھے پر شکن تک نہ آنے دی۔ بدستور مسکراتا رہا آفاق تھوڑی دیر بیٹھ کر چلے گئے مگر جاتے جاتے جن نگاہوں سے نعمانہ نے ان کی طرف دیکھا تھا جیسے پوچھ رہی ہوں کہ اب کب آؤ گے۔ ریحان سے اس کا مفہوم چھپا نہ رہ سکا۔ آفاق کی نظروں میں کیسی گہری وارفتگی تھی۔ وہ سوچتا رہ گیا اور جب آفاق کے جانے کے بعد وہ گنگنا رہی تھی۔ ریحان کے قدم ہمیشہ کی طرح جو رواں ہوتے تھے واپس پلٹ گئے وہ اسے کچھ کہنے کے ارادے سے آیا تھا۔

UrduPhoto.com

اس روز کچھ اچانک ہی آ جانے سے احساس نے گھر فون کرنے پر مجبور کیا حالانکہ آج تک اس نے کبھی گھر کا نمبر ڈائل نہیں کیا تھا۔ ریسیور کان سے لگا کر ہیلو کہنا ہی چاہ رہا تھا کہ جیسے زبان کو بریک لگ گئے۔ فون پر سے انگیج تھا اور آفاق سے لائن کنیکٹ ہو گئی تھی۔

"آخر آپ کو کیا تامل ہے بھابی! یہ سلسلہ آخر کب تک چلے گا کچھ تو فیصلہ ہونا ہی چاہیے۔" آفاق نعمانہ سے کہہ رہے تھے۔

"رہنے دیجئے۔۔۔ میں نے اپنے اندر سے۔۔۔" نعمانہ نے کچھ کہنا چاہا تو آفاق کی بات قطع کر کے بولے۔

"اس کا مطلب ہے کہ آپ بہت ڈرتی ہیں اس سے۔"

"نہیں ڈرتی تو نہیں مگر یہ میرے وقار کا سوال ہے۔" نعمانہ کے لہجے میں ہچکچاہٹ تھی۔

"اچھا تو پھر اتنی ہی اجازت دیجئے کہ میں آپ سے تفصیل سے بات کر لوں۔ آپ نے مجھے ہمیشہ اندھیرے میں رکھا ہے مگر میرے دل میں آگ لگی ہوئی ہے۔"

"یہ بھی ممکن نہیں۔"

"کیوں۔۔۔ کیا ریحان کی وجہ سے۔"

"ظاہر ہے کچھ ان کی وجہ سے اور کچھ۔۔۔"

"ویسے ریحان کے تو فرشتوں کو بھی پتا نہیں چلے گا، راز داری شرط ہے تا۔ خیر یہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیجئے۔ فکر نہ کیجئے، آپ پر ذرا بھی آنچ نہ آئے گی۔ یہ میرا تو ہاں، ہاں تو آ جاؤں اجازت ہے۔"

"اچھا تو نتائج کے ذمہ دار آپ ہوں گے۔" آخر وہ ہار مان کر ہی بولی۔

"ہاں ہاں فکر نہ کیجئے، نتائج تو بڑے خوش کن ثابت ہوں گے۔" آفاق نے اپنی بات کہہ کر قہقہہ لگایا۔

"بڑے وہ ہیں آپ" نعمانہ کی حیادار آواز آئی۔

"اچھا تو پھر ابھی حاضر ہوا۔" نعمانہ نے کوئی جواب نہ دیا اور فون کا سلسلہ ختم ہو گیا۔

لیکن ریحان کے سینے میں دبی حسد و رقابت کی چنگاریاں انتقام کے شعلے بن کر اٹھیں۔ دونوں کو تنہائی نصیب ہو گئی تو میری عزت کا جنازہ ہی نکل جائے گا۔ یہ خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن میں آیا تھا مگر آیا تو تھا جو اس کی حمیت پر تازیانے کا کام کر گیا۔ رگوں میں دوڑتا ہوا لہو جوش کھانے لگا۔ نہیں نہیں میں ایسا ہرگز نہ ہونے دوں گا۔ انتقام کی آگ بھڑک اٹھی اس نے گاڑی میں بیٹھ کر گھر کا رخ کیا وہ آفاق کے آنے سے پہلے پہنچ جانا

چاہتا تھا۔ پھر گھر سے کچھ فاصلے پر احتیاطاً" کار کو ایک گھنے پیڑ کے نیچے کھڑا کر دیا اور پیدل گھر کا رخ کیا۔ گھر میں داخل ہوا تو پورٹیکو میں آفاق کی جیپ اس کا منہ چڑا رہی تھی۔ غصے نے جنون کی حد کو چھو لیا۔ بھاگنے کے سے انداز میں مگر بہت محتاط طریقے سے اپنے کمرے میں گیا الماری کھول کر ریوالور نکالا اسے لوڈ کر کے جیب میں ڈالا اور اس کمرے کا رخ کیا مگر بیچ میں ہی یعنی ڈائننگ روم سے آفاق کے ہنسنے کی آواز آئی تو ریوالور لے کر کھڑکی کا پردہ سرکا کر اندر جھانکا تو وہ دونوں آمنے سامنے صوفوں پر بیٹھے تھے اور آفاق کہہ رہے تھے۔

"مجھے تو اس بے وقوف پر حیرت ہو رہی ہے۔" تو گویا میرا ہی ذکر ہو رہا ہے مگر اتنا بے وقوف نہیں ہوں جتنا تم سمجھتے ہو، سختی سے نچلا ہونٹ کاٹ کر ریحان نے سوچا، ذرا ان کی باتیں سن لینی چاہئیں ریوالور کو مضبوطی سے پکڑ کر ریحان نے ان کی گفتگو پر کان لگا دیئے۔

"آپ یہ گلاس تو ختم کیجئے گرم ہو جائے گا۔" نعمانہ نے اس طرح کہا جیسے ریحان کے ذکر سے بچنا چاہ رہی ہو۔

"کچھ کھانے کو بھی ہو گا، میں تو ڈیوٹی سے سیدھا آپ کے پاس آ رہا ہوں سخت بھوک لگی ہے کچھ کھلایئے پلایئے تو سہی۔" آفاق مشروب کا آخری گھونٹ ختم کر کے بولے۔

"اوہ سوری۔ اپنی باتوں میں میں بھول ہی گئی۔ بس ابھی لاتی ہوں۔" نعمانہ آفاق کے احساس دلانے پر کھانے کو کچھ لانے کے لیے اٹھتی ہوئی بولی۔

ریحان کو جن باتوں کے سننے کی توقع تھی جس منظر کو دیکھنے کے لیے اس کی شعلہ بار نگاہیں منتظر تھیں۔ اس کی جگہ وہ جو کچھ دیکھ اور سن رہا تھا بڑی ناقابل یقین بات تھی۔ اپنی سن ہوتی ہوئی ٹانگوں کو لیے سخت کوفت اور جھنجلاہٹ کے عالم میں کھڑکی کے پاس کھڑا وہ سوچ رہا تھا کہ اب کون سا قدم اٹھائے کہ پھر آفاق کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی۔

"ریحان کب تک آ جاتا ہے۔" ذکر اس ہی کا تھا۔ اس لیے کان کچھ زیادہ ہی کھڑے ہو گئے۔ کھڑکی کا پردہ سرکا کر پھر دیکھا۔ ملازم آفاق کے سامنے میز رکھ کر کھانے کی چیزیں چن رہا تھا اور وہ تھوڑے فاصلے پر کھڑی کہہ رہی تھی۔

"ابھی تو ان کے آنے میں کافی دیر ہے۔" ملازم چلا گیا تو اس نے پھر کہا۔

"آپ ان سے کچھ نہ کہیے گا۔" اس کا لہجہ التجائی سا تھا۔

"آپ ان فکروں میں مت پڑیے گا۔ میں اسے خوب ڈیل (DEEL) کرنا جانتا ہوں۔" آفاق لاپروائی سے بولے۔

"وہ واقعی ایک حد تک بہت سیدھے ہیں مگر اس سلسلے میں ان سے کچھ کہنا بیکار ہی ہو گا۔ حالات خود بخود انہیں بہت کچھ محسوس کرنے پر مجبور کر دیں گے۔ پلیز آپ ان سے کچھ نہ کہیں پھر میں ان سے سامنا بھی نہ کر سکوں گی۔" نعمانہ نے اتنی منت سے کہا کہ آفاق کچھ سوچ کر بولے۔

"اچھا پھر کوئی دوسرا طریقہ آزمایا جائے گا۔ بہرحال اسے احساس تو دلانا ہے۔ اسی طرح جیسے آپ چاہ رہی ہیں کہ سانپ مرے نہ لاٹھی ٹوٹے۔" آفاق کے مثال دینے پر ریحان کا ضبط ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ ریوالور کو اپنی جیب میں ڈال کر وہ ایک جھپاکے سے اندر داخل ہوا اور بڑے سخت لہجے میں بولا۔

"آفاق! اس سے پیشتر کہ میں تم سے کوئی بدترین سلوک کروں۔ تم میرے گھر سے فوراً" نکل جاؤ۔ جاؤ فوراً" میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ گیٹ لاسٹ۔"

ریحان کے اچانک آ جانے اور طرز تکلم سے ہوش مند آفاق کو سب کچھ سمجھ لینے میں دیر نہ لگی پھر بھی ان کا اچانک آ کر اس قدر تضحیک آمیز لہجے میں دھتکارنا معمولی بات نہ تھی۔ آفاق کا جوان اور غیور خون خوش کھانے لگا۔ شدت جذب سے سرخ چہرہ لیے اٹھے۔ دو قدم ریحان کی طرف بڑھے پھر ایک نگاہ سن کھڑی نعمانہ پر ڈالی۔ جس کے سرخ و سفید چہرے پر

زردیاں سی کھنڈتی نظر آئیں۔ نہ جانے کیا سوچ کر ریحان کی طرف بڑھنے کے بجائے دروازے کا رخ کیا اور تیزی سے باہر نکل گئے۔ ان کے جاتے ہی ریحان نعمانہ پر جھپٹا۔ اسے اچانک اور ایسے مشتعل انداز میں بات کرتا دیکھ کر اس کا خون پہلے ہی خشک ہو گیا۔ وہ گھبراہٹ کے عالم میں پیچھے ہٹی تو اس کا ہاتھ پکڑ کر ایک جھٹکے سے اسے دھکیلتے ہوئے بولا۔

"اور تم بھی اے بدکار عورت میری نظروں سے دور ہو جاؤ۔ چلی جاؤ یہاں سے ورنہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا۔"

اور نعمانہ لڑکھڑاتے قدموں سے خوف سے لرزتا دل لیے باہر نکل گئی۔ نعمانہ کا دل چاہ رہا تھا کہ اس بے بنیاد الزام تراشی اور اس کے اخلاق سے گرے ہوئے بدترین سلوک پر گھر سے ہی نکل جائے مگر ان حالات میں بدنامی کا یہ داغ لے کر کہیں جانا ممکن نہ تھا۔ اب تک تو کسی نہ کسی طرح اس نے اپنی یک طرفہ محبت کا بھرم قائم رکھا تھا۔ اب وہ بھرم ٹوٹے گا بھی تو کس طرح۔ اس لیے اپنے کمرے میں آ کر بستر پر گر گئی اور پھوٹ پھوٹ رونے لگی۔ باقی تمام رات اس نے رو رو کر اور سوچ سوچ کر گزار دی۔

دوسرے دن بھی وہ اپنے کمرے سے باہر نہ نکلی۔ غصے، ندامت اور تاسف سے بھوک و پیاس اڑ چکی تھی اور وہ نڈھال سی اپنے بستر پر اوندھی پڑی تھی۔ دوپہر ڈھل چکی تھی مگر اسے کسی بات کا ہوش نہ تھا۔ آنسوؤں کے سوتے بہہ بہہ کر خشک ہو چکے تھے اور اب وہ سوچ رہی تھی۔ اس بدگمانی کے نتیجے میں نہ جانے ریحان کیا کر گزرے یا پھر یہ رہا سہا تعلق ہی توڑ بیٹھے۔ ان ہی اندیشوں کی یلغار نے اسے ہراساں اور بے حال کر رکھا تھا۔ ریحان سے اپنی صفائی میں کچھ کہنا سننا ... کے مترادف تھا جس کی اب وہ بالکل روادار نہ تھی۔ بس بہت ہو گیا۔ اپنی بدگمانی میں اس نے یہ بھی نہ سوچا کہ میری عزت پر حملہ کر کے وہ اپنے ہاتھوں اپنی عزت خاک میں ملا رہا ہے۔ ان خیالات کی یورش میں آفاق بہت عظیم نظر آئے۔ ان کی عظمت کی تو وہ پہلے ہی قائل تھی۔ اف اس پست ذہنیت شخص نے اپنی قابل فخر دوستی کا مان بھی نہ رکھا۔ کچھ تو لحاظ کر لیا ہوتا۔ آفاق نے کیا سوچا ہوگا۔ اس کے ذہن میں داخل ہوتا ہر خیال ریحان کے خلاف محاذ قائم کر رہا تھا۔ وہ جو اس کی نظروں میں ناقابل معافی اور تلافی جرم کا مرتکب ہوا تھا۔ اس کی طرف سے اتنی زیادہ خاموشی بڑی صبر آزما اور جان لیوا ثابت ہو رہی تھی۔ نہ جانے یہ سنگدل شخص کیا کر رہا ہو۔ غم کے شعلوں میں لپٹی ہوئی وہ سوچ رہی تھی۔

تب ہی دروازے پر پہلے آہستہ سے دستک ہوئی اور پھر زور زور سے دروازہ پیٹا جانے لگا۔ یہ حرکت نوکر کی تو نہیں ہو سکتی۔ یہ سوچ کر نعمانہ کو اپنا تیزی سے دھڑکتا دل رکتا سا محسوس ہوا۔ دستک کی آواز پھر آئی۔ کانپتے ہوئے جسم اور لرزیدہ قدموں سے بڑھ کر اس نے دروازہ کھولا اور ریحان کو وہاں کھڑا دیکھ کر روح فنا ہوتی محسوس ہوئی۔ ایک لمحے کو نگاہیں ملیں۔ بڑا ناقابل فہم تھا نگاہوں کا وہ تاثر۔ وہ خاموش کھڑا اسے دیکھ رہا تھا۔ جلدی سے وہ لڑکھڑاتے ہوئے قدموں سے اپنے بستر کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی۔ اس سے پشت کیے مسہری کا سہارا لیے وہ دم بخود کھڑی تھی۔ دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا کہ طبیعت بکھری چلی جا رہی تھی۔ حلق خشک ہو گیا تھا اور کان بڑی سے بڑی بات سننے کے منتظر تھے کیونکہ اتنی خاموشی بڑی جان لیوا لگ رہی تھی۔ وہ اس کی پشت کے بالکل پیچھے آ کر کھڑا ہو گیا تھا پھر اسی خاموشی سے اس نے ایک بڑا سا سفید کاغذ اس کی طرف بڑھا دیا۔ کاغذ لیتے ہوئے اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس کی موت کا پروانہ اس کاغذ کی صورت میں اسے تھما دیا گیا ہو۔ اس کی بے انتہا خاموشی اس بات کی غماز تھی کہ اس نے اس کی قسمت کا یکسو فیصلہ کر دیا ہے۔ اپنی وحشت ناک نگاہوں میں بے بسی اور بے چارگی کی تمام تر کیفیت لیے اس نے ریحان کی طرف دیکھا۔ جو اس کے پہلو میں نگاہیں جھکائے کھڑا نہ جانے کیا سوچ رہا تھا۔ اس نے مڑ کر کانپتے وجود کے

ساتھ وہ کاغذ کھولا۔ نگاہوں کے سامنے ترمرے ناچتے دکھائی دیے مگر نگاہ کو جمنا ہی پڑا۔ یہ ایک خاصی طویل تحریر تھی۔

لکھا تھا۔

"سمجھ میں نہیں آ رہا تمہیں کیا کہہ کر مخاطب کروں۔ دوستی کا وہ مقدس اور عظیم رشتہ جس پر کبھی مجھے ناز تھا وہ تو اسی دن ٹوٹ گیا جب تمہارے صاف اور کھوٹ سے پاک دل میں میری طرف سے پہلی بار بال آیا تھا لیکن سب کچھ جانتے ہوئے بھی میں نبھائے چلا جا رہا تھا اور آج جبکہ تم نے خود اپنے ہاتھ سے اس رشتے کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی تم کو یہ خط لکھنے پر مجبور ہو گیا ہوں کیونکہ یہی ایک صورت رہ گئی ہے تمہارے دل سے شکوک شبہات اور غلط فہمی دور کرنے کی۔

"میں نے پہلی ہی ملاقات پر تمہارے اور بھابھی کے درمیان قائم شدہ لاتعلقی اور عدم وابستگی کو محسوس کر لیا تھا اور اپنے اس احساس کو یقین کی حد تک پہنچانے کے لیے تمہارے یہاں آمد و رفت بڑھائی تھی۔ تم سوچو گے آخر میں نے ایسا کیوں کیا یا مجھے ایسا کرنے کا کیا حق پہنچتا تھا۔ تو سنو۔ ایک تو تم میرے جگری دوست تھے اور اس اٹوٹ رشتے کے لحاظ سے میں چاہتا تھا کہ تم اپنی ازدواجی زندگی کی تمام تر مسرتیں لوٹو اور دوسری سب سے بڑی وجہ بھابھی سے میری دلی وابستگی تھی۔ مجھے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ تمہاری ملکیت ہیں، میں نے اپنی ہر دلچسپی اور انسیت ان سے وابستہ کر لی تھی اور جسے چاہا جائے اسے یوں لٹا لٹا، سوگوار سا دیکھنا بھی گوارا نہیں ہوتا۔

یہی چاہت مجھے کھینچ کر تمہارے یہاں لے جاتی اور پھر جلد ہی بہت سی نمایاں باتوں سے میں نے بہت کچھ اخذ کر لیا اور میں نے تمہیں جتا جتا کر بھابھی کی ذات میں دلچسپی لینی شروع کر دی تاکہ تمہیں احساس کی ترغیب دے سکوں اور ہوا بھی کچھ ایسا ہی۔ تمہارے دل میں جلد ہی یہ احساس جاگ اٹھا۔ تم

میرے بے باک اور ذو معنی فقروں سے جزبز ہو اٹھتے مگر پھر بھی زبان سے کچھ نہ کہتے اور میں بھابھی کو سمجھاتا رہتا کہ اپنا حق تم سے مانگیں مگر تم نے تو ان سے جینے کی امنگیں تک چھین لی تھیں۔ نہ جانے وہ کیا واقعات تھے جنہوں نے بھابھی کے اور تمہارے درمیان اتنے فاصلے قائم کر دیے تھے۔ میں نے بھابھی سے بہت پوچھنا چاہا مگر انہوں نے ہمیشہ ٹال ٹال دیا۔
افسوس کہ ایسی پاک باز، وفا شعار اور فرشتہ خصلت بیوی کی بھی تم نے قدر نہیں کی۔ ان کو پہچاننے کی کوشش کرنے اور سمجھنے کے بجائے تم نے ان کی پاک دامنی پر رکیک حملے کیے۔ ان کی عزت پر کیچڑ اچھالی۔
بہرحال جب بھابھی نے بھی کچھ نہ بتایا سوائے اس کے کہ تم ان سے لاتعلق اور بے پروا رہتے ہو تو میں نے فیصلہ کر لیا میں خود تم سے ضرور یہ بات کروں گا۔ تمہیں سمجھاؤں گا کہ تم غلطی پر ہو اور تم سے پوچھوں گا کہ کس جرم کی پاداش میں تم نے اپنی بیوی کو یہ ٹھنڈی مار دے رکھی ہے جو اس قدر بے زبان ہے کہ تمہاری ہر زیادتی کو خاموشی اور خندہ پیشانی سے برداشت کر رہی ہے جو اف تک نہیں کرتی اور تمہاری انہی کوتاہیوں کے باوجود اب بھی تم کو دل کی گہرائیوں سے چاہتی ہے۔ وہی عورت جو میری نظروں میں قابل احترام ہے۔ زندگی کا سب سے حسین خواب ہے مگر ایسا خواب جو آنکھ کھلنے کے بعد ٹوٹ جاتا ہے۔
خیر میں نے تم کو وہ سب لکھ دیا جو تمہیں بتانا ضروری تھا پھر بھی تھوڑی سی کسر باقی رہ گئی ہے۔
کل جب میں نے بھابھی کو فون کیا تھا تو اتفاق سے تم نے ہی وہ ریسیور اٹھا لیا تھا [illegible] تمہاری آواز سن لی تھی اور مجھے بخوبی اندازہ تھا کہ تم میری [illegible] بھابھی کے منع کرنے [illegible] یقین کے ساتھ کہ تم ضرور آؤ گے اور تم آ بھی گئے مگر کس طرح [illegible] یہ تم ہی بخوبی اندازہ لگا سکتے ہو۔ شاید اس سے زیادہ

وضاحت اور صاف گوئی میرے لیے ممکن نہیں۔ بس آج جبکہ ہمارے درمیان قائم شدہ دوستی کے مضبوط اور عظیم رشتے کی ڈوری ٹوٹ چکی ہے۔ میں تم سے آخری بار ایک گزارش کر رہا ہوں کہ خدا کے لیے بھابھی کو ان کی گم گشتہ جنت ڈھونڈ کر دے دو یا نہ دو تمہیں اختیار ہے اور تمہاری مرضی پر منحصر ہے کہ میری بات مانو یا نہ مانو۔ خدا تمہیں ایک مسرور اور کامیاب زندگی بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
ایک خیر خواہ
آفاق انجم

آخری سطور نعمانہ نے اشکوں کی دھندلاہٹ میں پڑھیں۔ خط پڑھ کر تہہ کرنے لگی تو ریحان بالکل نزدیک ہو کر روتے لہجے میں بولا۔
"میں اپنی نظروں میں خود اس قدر گر گیا ہوں کہ اپنی صفائی میں یا معذرت کے طور پر ایک لفظ بھی کہنے کا اپنے آپ کو اہل نہیں سمجھتا۔ بہرحال میرا [illegible] اور یہ میری کوتاہیاں اور کج ادائیاں تھیں کہ میرے گھناؤنے خیالات سب آپ کے سامنے ہیں اور آپ کا یہ خطاکار بھی جواب [illegible] کھڑا ہے۔ خواہ اسے بخش دیں یا واصل جہنم کر دیں۔ ہر بات کا آپ کو ہی اختیار ہے۔"
ریحان کے کہنے کا متاسف اور ندامت بھرا انداز، کشش نگاہوں میں امید و بیم کے جلتے بجھتے دیپ، اس کی [illegible] اس کے منہ سے پہلی بار درد و التجا میں ڈوبے یہ الفاظ معمولی تو نہیں [illegible] وہ آسانی سے کہہ لیتی۔ کانوں پر یقین نہ آیا۔ ڈوبتے دل نے ماننے سے انکار کر دیا۔ حواس معطل ہونے لگے تو نگاہوں کے سامنے اندھیرا سا چھا گیا مگر جب اندھیرا چھٹا تو ساری نفرت، ساری کدورت چھٹ چکی تھی۔ [illegible] اچانک چاند مسکرا دیا ہو اور نعمانہ کی زندگی کے افق سے بدگمانی کے بادل ہمیشہ کے لیے چھٹ گئے۔

Scanned By HarfeDua for OneUrdu.com
UrduPhoto.com